سردار جعفری

ایک بات

اس پہ پھولے ہو کہ ہر دل کو کچل ڈالا ہے
اس پہ پھولے ہو کہ ہر گل کو مسل ڈالا ہے
اور ہر گوشۂ گلزار میں سنّاٹا ہے

کسی سینے میں مگر ایک فغاں تو ہوگی
آج وہ کچھ نہ سہی ، کل کو جواں تو ہوگی

وہ جواں ہو کے اگر شعلۂ جوّالہ بنی
وہ جواں ہو کے اگر آتشِ صد سالہ بنی
خود ہی سوچو کہ ستم گاروں پہ کیا گذرے گی

دُنیا کے مزدور ایک ہو

جولائی ۶۵ء —— مدیر: سبطِ اختر —— قیمت ۲۵ پیسے

حیات و کائنات کا ترجمان

منشور

جلد ۲ جولائی ۶۵ء شمارہ ۷

مدیر

سبطِ اختر

قیمت فی پرچہ

پچیس پیسے

سال بھر کے لئے

تین روپے

ناشر

سبط اختر

کتابت :- ثناءاللہ

مطبع

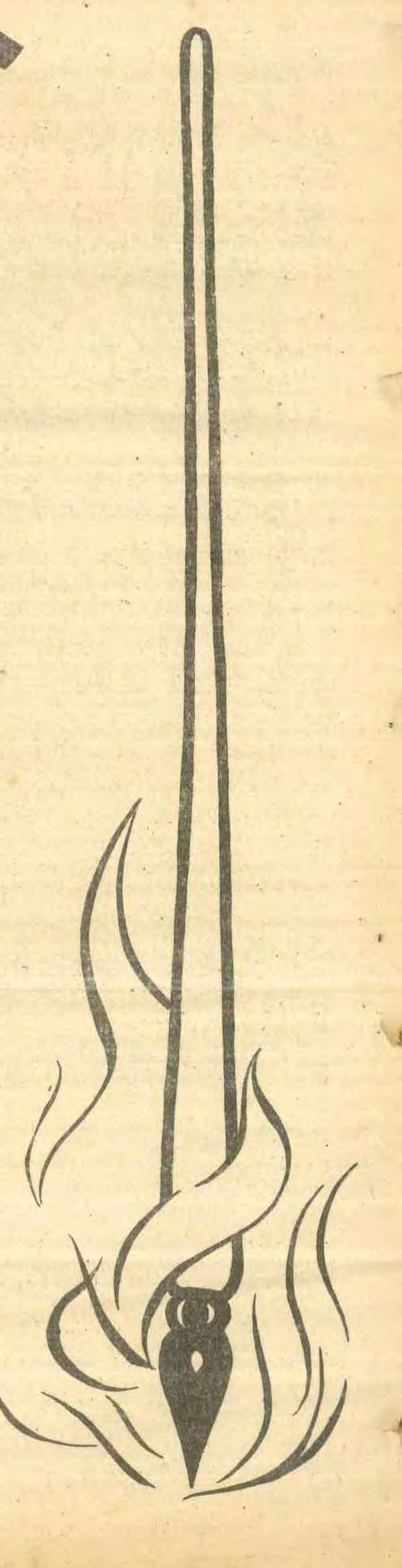
مشہور پریس میکلوڈ روڈ کراچی

پتہ

ماہنامہ منشور - ایئرویز ایمپلائز یونین
پی آئی اے برانچ ایئرپورٹ کراچی
فون نمبر ۴۹۱۲۹

اس منشور میں

بجٹ



اس سال مرکزی اور صوبائی بجٹوں میں ٹیکس لگائے گئے ہیں ہمارے یہاں بجٹ اور ٹیکس لازم وملزوم ہوکر رہ گئے ہیں — ہر نیا بجٹ، ٹیکسوں کی شکل میں کانٹوں کے تازیانے لیکر آتا ہے جن سے بہر صورت عوام کی گوشمالی کی جاتی ہے۔

بجٹ میں ٹیکس لگانے کی سفارشات پیش کرتے ہوئے ہمیشہ عوام، وطن، ملک، قوم، ترقی اور مستقبل کے رٹے رٹائے الفاظ دہرائے جاتے ہیں اور کسی نہ کسی طریقے سے یہ ہی ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ بجٹ "عوامی" ہے اور اس موقف کی وکالت وتائید کرنے میں وزیر خزانہ اور حکومت وقت کے دوسرے کارندوں کے ساتھ ہی ساتھ، سرمادار طبقہ کے زرخرید بھانڈ بھی برابر کے شریک ہوا کرتے ہیں۔

بجٹ میں ٹیکس لگانے کی ضرورت دراصل اس لئے پڑتی ہے کہ حکومت کو مستقبل میں، اپنے وسیع ترین منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اندازے کے مطابق ایک خطیر رقم فراہم کر دی جائے ظاہر ہے کہ یہ کوئی غلط بات نہیں بلکہ ضروری ہے۔ اگر یہ نہ کیا جائے تو پھر بھلا حکومت آخر کیا خاک کر کے دکھائے گی؟

ٹیکس لگانے کے تین طریقے ہوا کرتے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ۔ عوام پر براہ راست ٹیکس لگائے جائیں۔ دوسرا یہ ہے کہ سرمایہ داروں پر ٹیکس لگائے جائیں اور تیسرا یہ کہ سرمایہ داروں پر ٹیکس اس طرح لگائے جائیں کہ پھر وہ اپنے اوپر لگائے گئے ٹیکسوں کا بوجھ، دوبارہ عوام کی طرف منتقل نہ کر سکیں —

ٹیکس لگاتے وقت اس بات کا دھیان بھی رکھنا چاہیئے کہ ان ٹیکسوں کا بار ان لوگوں پر پڑے، جو اسے اٹھا سکیں اور جس کے بعد عام معیار زندگی نہ گرنے پائے، بے اطمینانی نہ پھیلنے پائے — مہنگائی نہ بڑھنے پائے۔ بلکہ تعمیر وترقی کی رفتار تیز سے تیز تر ہو جائے۔

مگر کیا ہمارے یہاں یہ ہی بجٹ پالیسی اختیار کی گئی ہے۔؟ نہیں ہرگز نہیں۔ ہمیں یہ کہنے میں قطعی کوئی عار نہیں کہ حکومت نے تمام ٹیکس کچھ اس طرح لگائے ہیں کہ بالآخر ان کا سارا بوجھ، عوام الناس پر ہی آکر پڑے گا۔ بلاواسطہ اور براہ راست ٹیکس تو خیر لگائے ہی عوام پر گئے ہیں۔ رونا تو اس بات کا ہے کہ وہ ٹیکس بھی جو سرمایہ داروں پر لگائے گئے ہیں —— پیداواری عمل میں عوام پر ہی آپڑیں گے کیا بلکہ آپڑے ہیں۔ حکومت نے ان سرمایہ داروں پر ایسی کوئی پابندی نہ تو آج سے پہلے اور نہ ہی آج لگائی ہے، جس کے پابند ہوکر یہ سرمایہ دار اپنی وہ تمام رقم جو حکومت کو ٹیکسوں کی شکل میں ادا، کریں گے، دوبارہ عوام الناس سے وصول نہ کر سکیں —— کون نہیں جانتا کہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک صرف اور صرف عوام ہی ان ٹیکس نما تازیانوں کی مار کھاتے رہے ہیں۔ دن بدن چڑھتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے مزدوروں، کسانوں، چھوٹے دوکانداروں، معلموں اور نچلے ومتوسط طبقے کے دوسرے افراد کا معیار زندگی گرتا رہا ہے۔ اور اس کے برعکس سرمایہ داروں کی آمدنی، ان کے کارخانے، ان کی پیداوار اور ان کے معیار زندگی میں باقاعدگی کے ساتھ اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اور یہ ہی اب بھی ہوگا۔

یہ صحیح ہے کہ سرمایہ داروں کے بڑھتے ہوئے کاروبار کی وجہ سے ان کی طرف سے ادا کیا جانے والا ٹیکس بھی بڑھتا رہتا ہے۔ ان کی ترقی سے حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ مگر کیا آج تک ایسا ہوا ہے کہ ان ٹیکسوں کی ادائیگی کے باوجود، انکی آمدنی یا شرح آمدنی کم ہو گئی ہو؟ — ایسا اس لئے نہیں ہوا کہ یہ سرمایہ دار اپنی طرف سے ادا کئے جانے والے ٹیکس، اشیاء کی قیمتیں بڑھاکر، مزدور سے زیادہ پیداوار لے کر، اور کسان کی پیدا کردہ اشیاء کی کم قیمتیں دے کر —— عوام الناس کی جیبوں سے بٹور بٹور کر انھیں آہستہ آہستہ بالکل کنگال کر رہے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ امسال لگائے جانے والے ٹیکس ان ٹیکسوں کے علاوہ ہیں جو پچھلے سال اور اس سال سے پہلے لگائے جا چکے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس نکتے کو بھی دھیان میں رکھا جائے کہ موجودہ بجٹوں کے ذریعہ ان ہی اشیاء پر خصوصیت کے ساتھ ٹیکس لگایا گیا ہے جو اس سے پہلے بھی ٹیکس کی زد میں آتی رہی ہیں اور جنکا تعلق براہ راست عام استعمال کی اشیاء سے ہے۔ مثلاً، سوتی کپڑا، سگریٹ، بجلی کے بلب، پیٹرول کی مصنوعات، محصول آبکاری میں اضافہ وغیرہ۔

اس بجٹ کی ایک سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حکومت نے صنعتوں، بنکوں، انشورنس کمپنیوں اور چائے کے باغات وغیرہ کو قومی ملکیت میں نہیں لیا اور نہ لینے کا ارادہ رکھتی ہے۔ بلکہ نجی سرمایہ کاری کی ہمت افزائی کے ساتھ ساتھ آزادانہ برآمدی پالیسی کا بھی وعدہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ سرمایہ دار طبقہ کو ٹیکس میں مختلف

(باقی صفحہ ۴۷ پر)

اے وطن



کراچی میں ایک بار پھر دفعہ ۱۴۴ لگا دی گئی ہے جس کا عذر انتظامیہ نے یہ پیش کیا ہے کہ مزدوروں میں "بے چینی" پھیلی ہوئی ہے -

یہ بے چینی کچھ کراچی سے ہی مخصوص نہیں، بلکہ آج کل وطن عزیز کے سارے محنت کش طبقہ میں بے اطمینانی اور اضطراب کا یہ شدید ترین احساس موجود ہے - مشرقی پاکستان کے ریلوے مزدوروں نے حال ہی میں ہڑتال کی تھی جسے نہ صرف مشرقی پاکستان، بلکہ مغربی پاکستان میں بھی بڑے بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کر کے ناکام بنا دیا گیا - کراچی میں بھی یوں تو اخباری اور سرکاری اطلاعات کے مطابق گرفتار شدگان کی تعداد سات ہے - مگر مزدور تنظیموں کے نمائندوں کا کہنا ہے کہ اب تک تیرہ مزدور کارکن گرفتار کئے جا چکے ہیں اور اتنے ہی اور کئے جانے والے ہیں -

نہ جانے کسی نیم حکیم یا بازاری عطار نے متعلقہ حکام کو یہ بات سمجھا دی ہے کہ بے چینی، بے اطمینانی، اور اضطراب کا علاج دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ہوا کرتا ہے - ہمیں شبہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ اگر یہ تشخیص اور طریقہ علاج صحیح سمجھا جاتا رہا تو ایک نہ ایک دن یا تو ہم کو مریض کی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے یا پھر معالج کا ہی پتہ صاف کرنا پڑے گا -

مزدوروں میں بے چینی کی شکایات آج کل عام ہیں ان کی حالت ناگفتہ بہ ہو رہی ہے، سرمایہ دار جو مزدوروں سے زیادہ سے زیادہ کام لے کر زیادہ سے زیادہ منافع کما کر انھیں کم سے کم اجرت دیتا ہے --- ان ساری بیماریوں کی اصل جڑ ہے - مزدوروں کے سارے مسائل، ان کی جان لیوا محنت و مشقت اور اس کے صلے میں ملنے والی حقیر ترین رقم سے قریب ترین تعلق رکھتے تھے اور رکھتے ہیں - سرمایہ دار اپنے منافع میں پائی برابر بھی کمی کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ اب اس کے مال کی پیداوار بہت بڑھ گئی ہے اور قوت خرید نہ ہونے کی وجہ سے منافع بخش شرح کے مطابق اس کے تیار کردہ مال کی کھپت نہیں ہو پا رہی تو پھر یہی سرمایہ دار خود اپنے ہی زر خرید افراد کو اکسا کر اپنے ہی مل اور کارخانوں میں مصنوعی حالات پیدا کر کے ہڑتال کروا دیتا ہے، یہ ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جس کو اختیار کر کے یہ سرمایہ دار حکومت کی نظروں میں دھول جھونکتا ہے، مزدوروں کو بے روزگار کر دیتا ہے - لاک آؤٹ کے جرم کا بڑی ڈھٹائی کے ساتھ ارتکاب کرتا ہے --- اور پھر انتہائی غرور و نخوت سے سینہ تانتا ہے، گردن اکڑاتا ہے، مونچھوں کو تاؤ دیتا ہے اور انتظامیہ کے اہلکاروں سے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کروا دیتا ہے - اس طرح سرمایہ دار کے مفاد کا تحفظ کرنے کے لئے مزدوروں کو انکی قانونی جدوجہد سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے - چند لوگوں کو دولت سمیٹنے کی کھلی آزادی دینے کیلئے لاکھوں محنت کشوں کو دبا دیا جاتا ہے - لیکن ان اوچھے ہتھیاروں، بھونڈے طریقوں اور غیر سائنسی و غیر منطقی اقدامات سے یہ مسائل نہ کبھی حل ہوئے ہیں اور نہ ہونگے -

اعلیٰ طبقے کے جواریوں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ ریس کورس میں ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو کر جوا کھیلیں - پہلوانوں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ ہزاروں آدمیوں کو جمع کر کے اپنے فن کا مظاہرہ کریں، مجمع گیروں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ سیکڑوں افراد کو سر راہ روک کر اور انہیں کچھے دار باتوں میں الجھا کر انکی جیبیں خالی کر لیں --- مگر مزدوروں کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اپنی تنظیم کر کے یونین بنا لیں اپنا فیصلہ منوانے کے لئے سنگتیں کریں سرمایہ دار سے اپنا حق مانگنے کے لئے ہڑتال کر لیں - اپنے پیٹ کے لئے روٹی، تن کے لئے کپڑا، اور مرض کے لئے دوا طلب کر لیں - حکمرانوں کا استقبال کرنے کے لئے لوگ جمع ہو سکتے ہیں، مگر حکمرانوں کو اپنی باتیں بتانے اور سنانے کے لئے پانچ اور پانچ سے زیادہ افراد کا "اجتماع" امن میں خلل پیدا کرے گا - یہ عجیب دلیل ہے عجیب منطق ہے -

پاکستان کے دوسرے شہروں کی بات تو خیر الگ رہی کراچی میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ایک مستقل مسئلہ بن کر رہ گیا ہے - حقیقت یہ ہے کہ جس طرح مغربی ممالک کے ابر آلود موسم میں کبھی کبھار دھوپ نکل آتی ہے بالکل اسی طرح کراچی میں کبھی کبھار دفعہ ۱۴۴ اٹھ جاتی ہے ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے سلسلے میں "ہمارے اپنے لوگ" انگریزوں سے بھی بہت آگے بڑھ گئے ہیں - انگریز کو جلیانوالہ باغ اور مسجد کانپور کے مواقع پر ہی دفعہ ۱۴۴ جیسے سیاہ قوانین کا سہارا لیا کرتے تھے مگر یہاں تو کسی کو چھینک آتی نہیں اور جھٹ سے دفعہ ۱۴۴ نافذ العمل ہوتی نہیں - قدرت کی نیرنگیاں بھی خوب ہیں کہ ہم جس زمانے میں جنیوا کے مشہور و معروف شہر میں انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کے بڑے بڑے جلسوں میں کی جانے والی، اپنے ہی ملک کے نمائندے ہاشم رضا صاحب کی خوشنما اور دلکش تقاریر سنتے اور پڑھتے ہیں اسی زمانے میں ہی ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کاش ان تقریروں میں پیش کئے جانے والے نکات حقائق ہوتے -

ہماری یہ خواہش ہے کہ انتظامیہ دفعہ ۱۴۴ نافذ کر کر کے اس عقلمند بندر کی نقل نہ کرے جو پیڑ کی اسی شاخ کو کاٹ رہا تھا جس پر کہ خود بیٹھا تھا - دفعہ ۱۴۴ نافذ کر کے وقتی طور پر تو یقیناً مزدوروں کو دبایا جا سکتا ہے لیکن انکے سینے میں دبی ہوئی چنگاریوں کے لئے یہ بیجا غلط پابندیاں تیز تند ہواؤں کا کام دیا کرتی ہیں اور پھر دھیمے دھیمے سلگنے والی ان چنگاریوں کو دہکتے ہوئے --- شعلوں میں بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی ---!

صحرا بہ صحرا
کو بہ کو

مار
کر
پو
لو

ڈومینکن



کمانڈر کمانو

ڈومینکن کے موجودہ انقلاب کو سمجھنے سے پہلے یہ ذہن نشین کرلینا ضروری ہے کہ ایشا افریقہ اور لاطینی امریکہ آج کل انقلاب کے گھوارے بن گئے ہیں۔ یہاں محکوم اور نیم محکوم ممالک آزادی کے جذبہ سے سرشار نئی اور ابھرتی ہوئی طاقتیں، سامراج اور سامراج کے حواریوں سے فیصلہ کن جنگ لڑ رہی ہیں۔ کہیں کہیں اس جنگ کی رفتار ابھی ابتدائی دور میں ہی ہے۔ مگر جہاں جہاں عوام متحد ہو گئے، جہاں جہاں عوام کا شعور بیدار ہو گیا۔ جہاں جہاں عوام دشمن حکمرانوں کے چہرے عوام نے پہچان لئے —— وہاں وہاں عوام، چھوٹے بڑے ہر قسم کے ہتھیار لے کر بے خطر آتش نمرود" میں کود پڑے۔ اسی لئے ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ سامراج کمزور ہوتا جا رہا ہے اور انقلابی قوتیں مضبوط تر۔ یہ ہی قانون قدرت ہے۔ اور یہ ہی اس دور کا مقدر بھی —!

ڈومینکن کا حالیہ انقلاب بھی اسی صداقت کا مظہر ہے۔

ڈومینکن کے عوام غیر ملکی اثرات سے نجات چاہتے ہیں۔ وہ سامراجی آلہ کاروں سے چھٹکارہ پانے کے خواہشمند ہیں۔ اسی لئے فوج کے محب وطن طبقہ نے کرنل کمانو کی قیادت میں فوجی آمر کا تختہ الٹ دیا۔ اور اس انقلاب کی حمایت میں ڈومینکن کے عوام بھی سرفروشانہ نکل پڑے۔ اور جب یہ انقلاب کامیابی کی آخری مراحل طے کر رہا تھا اور انقلاب دشمن فوجیوں کے پیروں تلے سے زمین نکل چکی تھی تو آمروں کا پرانا ساتھی امریکہ اپنی کمین گاہ سے باہر آکر آگے بڑھا اور ڈومینکن کی چھوٹی سی ریاست میں ۳۰ ہزار سے زائد امریکی زنگروٹ اتار دیئے گئے۔

لاطینی امریکہ کے عوام، امریکہ کی ریشہ دوانیوں اور کھلم کھلا بے جا مداخلتوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انکی سرزمین پر نت نئے اور نام نہاد "انقلابات" یا "جوابی انقلابات" امریکہ کے بدنام زمانہ محکمہ سراغ رسانی سی، آئی، اے اور ایف، بی، آئی کی مکروہ سازشوں کا منطقی نتیجہ ہوتے ہیں۔

ڈومینکن، لاطینی امریکہ کی ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ جسکی آبادی تین ملین کے لگ بھگ ہے۔ یہاں پر امریکی مداخلتوں کا سلسلہ ۱۹۰۴ء سے شروع ہوتا ہے۔ جبکہ امریکی فوجوں نے اس پر بزور قبضہ کر لیا تھا۔ یہ وہ ہی دور تھا جبکہ ان جنوبی ریاستوں کو عمومیت کے ساتھ امریکی چنگل میں جکڑا گیا تھا۔ اسوقت ڈومینکن کی حکومت کو مجبور کیا گیا کہ کسٹم ڈیوٹی پر امریکی کنٹرول تسلیم کیا جائے —— ۱۹۱۴ء میں ڈمینکن پر باقاعدہ منظم اور وسیع پیمانے پر حملہ ہوا۔ اور امریکی نو آبادیوں میں ایک نو آبادی کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس عرصہ میں ڈومینکن کا صدر، "تو"، ڈومینکن کا باشندہ ہی ہوا کرتا تھا۔ مگر برائے نام — کیونکہ اس کا اصل مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ امریکی مفادات خواہ وہ معاشی ہوں یا سیاسی کی نگہبانی کرے۔ اس ملک کا ساٹھ فیصد زر مبادلہ شکر سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے بھی پانچ حصہ میں سے چار حصّے امریکیوں کے قبضہ میں ہی رہتے ہیں صرف ۱۹۶۵ء میں ہی شکر سازی کے ذریعہ ۱ر۸ ملین ڈالر کا منافع بٹور لیا ہے اور کی کالونی کے ذریعہ ۶۳-۱۹۶۲ء میں ۱۵۵ ملین ڈالر کا منافع ہضم کیا گیا ہے —— اسی شکر کی صنعت میں کام کرنے والوں کو ۱۲ گھنٹے کرنے پر ۳۰ر ۱ ڈالر مزدوری ملتی ہے۔ جبکہ — دوسری جگہوں پر کام کرنے والے مزدور صرف ۳۰ سے ۴۰ سینٹ یومیہ مزدوری حاصل کر پاتے ہیں۔ سیاسی صورت حال یہ تھی کہ ۱۹۶۱ء میں فوجی آمر ٹروجلو کو ہٹا کر بوش کو منتخب کیا گیا تو امریکیوں نے ایک انقلاب کے ذریعہ بوش کو منصب صدارت سے ہٹا دیا اور فوجی آمریت قائم کر دی۔

یہ تھے وہ حالات جن میں موجودہ "انقلاب" برپا ہوا، جو امریکنوں کے مفادات کی نہیں بلکہ عوام کے حقوق کی حفاظت کے لئے کیا گیا —— مگر کیونکہ امریکی سرمایہ داروں کے مفاد خلاف تھا اسی لئے جانسن حکومت "خاموش" نہ بیٹھ سکی اور "امریکی شہریوں کی زندگیاں بچانے" کا نعرہ لگا کر براہ راست مداخلت کر بیٹھی — پھر مزید ڈھیٹ پن کا مظاہرہ کرتے



جنرل امبرٹ



ہوئے۔ امریکی ٹھیکیداروں نے صاف صاف یہ اعلان بھی کر ڈالا کہ لاطینی امریکہ میں کیوبا کے بعد ایک اور کمیونسٹ حکومت سے بچانے کے لئے یہ مداخلت کی گئی ہے۔ یہ پہلا موقع تھا جس پر صرف لاطینی امریکہ کے عوام نے امریکی مداخلت کی مذمت نہیں کی بلکہ ساری دنیا کے عوام ان کے ہمنوا تھے اور خود امریکہ میں عام امریکیوں اور صدر کنیڈی مرحوم کے چھوٹے بھائی جوزف کنیڈی، اقوام متحدہ کے سیکریٹری یو تھانٹ نے بھی جانسن کی ہٹلرانہ پالیسی پر شدید نکتہ چینی کی۔

دراصل امریکی مفت خوروں کی نظر میں ہر وہ حکومت کمیونسٹ ہے جو امریکہ کے اشاروں پر "نہ" چلے۔ جانسن کی نظر میں سوئیکارنو، ناصر، نکرومہ وغیرہ سب ہی کمیونسٹ ہیں۔ کیونکہ انھوں نے اپنے اپنے ملک کے مفاد میں امریکہ کے سرمایہ داروں سے براہ راست ٹکر لی ہے اور یہی جرم کمانو نے کیا ہے۔ کیونکہ اس کا کہنا ہے ا۔

"امریکی تسلط نہ چاہنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم
کمیونسٹ بن گئے، ہم اپنے ملک میں جمہوری
نظام قائم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن امریکہ ہم پر ایسی
حکومت ٹھونپنا چاہتا ہے جو اسکی اپنی خواہشات
پوری کرے ———!

جانسن کے بے بنیاد الزام اور کمانو کے حقیقت پسندانہ جواب کا تجزیہ اس مشہور و معروف فہرست سے بھی کیا جا سکتا ہے جو امریکہ کے محکمۂ خارجہ کی طرف سے جاری کی گئی ہے اور جو ان اٹھاون "کمیونسٹ" افراد کے ناموں پر مشتمل ہے جنھوں نے ڈومینکن کے عوامی انقلاب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا — اس فہرست کا ڈھونگ یہ ہے کہ اس میں ظاہر کئے گئے ناموں میں سے اکثر بہت پہلے مر کھپ چکے ہیں۔ کچھ نام ایسے ہیں جن کا کوئی وجود ہی نہیں — اور کئی نام ادل بدل کر دوبارہ لکھ دیئے گئے ہیں۔ اور تو اور بہت سے قوم پرستوں اور کمیونسٹ دشمنوں کے نام بھی اس فہرست میں شامل کر دیئے گئے ہیں — اور یہ ساری باتیں خود امریکی پریس نے بھی من و عن تسلیم کر لی ہیں۔

امریکہ کی ذلیل ترین مداخلت کے خلاف جہاں ساری دنیا میں احتجاجی مظاہرے ہوئے وہاں خود امریکہ کی اپنی سرپرستی اور نگرانی میں بننے اور چلنے والی "امریکی ریاستوں کی تنظیم" کے بیشتر ممالک اس بات پر بھڑک اٹھے کہ امریکی فوج اتارنے سے پہلے ان سے مشورہ کیوں نہیں کیا گیا لیکن امریکی ان اور ان جیسی دوسری تنظیموں سے اسی حالت میں مشورہ کرتا ہے جبکہ ان سے اپنا کام نکالنا ہو۔ لہٰذا اس نے یہ ہی کیا۔ پہلے تو، ڈومینکن میں اپنی فوجیں اتار دیں۔ جب سب نے لعن طعن کی تو اب امریکی ریاستوں کو بہلا پھسلا اور پٹا کر رام کر لیا — اور آج کل امریکی ریاستوں کی فوجیں ہی ایک امریکی کمانڈر کی سرکردگی میں سرگرم عمل ہیں۔ ان فوجوں نے نہتے شہریوں پر اندھا دھند گولیاں چلائیں

آزادی کے حامیوں کو سر بازار قتل کیا۔ ایسے ہی ایک قتل عام کی رپورٹ اقوام متحدہ میں امریکہ کی جارحانہ مداخلت کے خلاف کی جانے والی بحث کے دوران کی گئی ہے کہ امریکی پٹھو امبرٹ کے فوجیوں نے امریکی فوجیوں کے ساتھ مل کر ۵۶، افراد کو کمیونسٹوں کا حامی ہونے کی بنا پر رات کی تاریکی میں گولی کا نشانہ بنایا۔ مگر نہ تو اقوام متحدہ میں ہونے والے بحث و مباحثہ کا کوئی نتیجہ برآمد ہوا اور نہ ہی "امن کے شیدائی" جانسن کو پسینہ آیا ——— نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات انجمن اقوام متحدہ، امریکہ کی مرضی کے خلاف کچھ کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔ بلکہ اس کی پردہ پوشیوں کا اڈہ بن چکی ہے۔ اور جانسن امریکی حریت اور جمہوریت کی مثالی روایات کو پیروں تلے روندنے پر تلا بیٹھا ہے۔

اب سارا معاملہ یہ ہے کہ امریکہ ڈومینکن میں اپنی پسند کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے اور وہاں کے عوام اپنی پسند کی ——— کرنل کمانو کو عوام کی حمایت حاصل ہے اور، امبرٹ کو امریکہ کی۔ ظاہر سی بات ہے کہ ان دونوں میں کوئی سمجھوتہ ہونا ممکن نہیں —

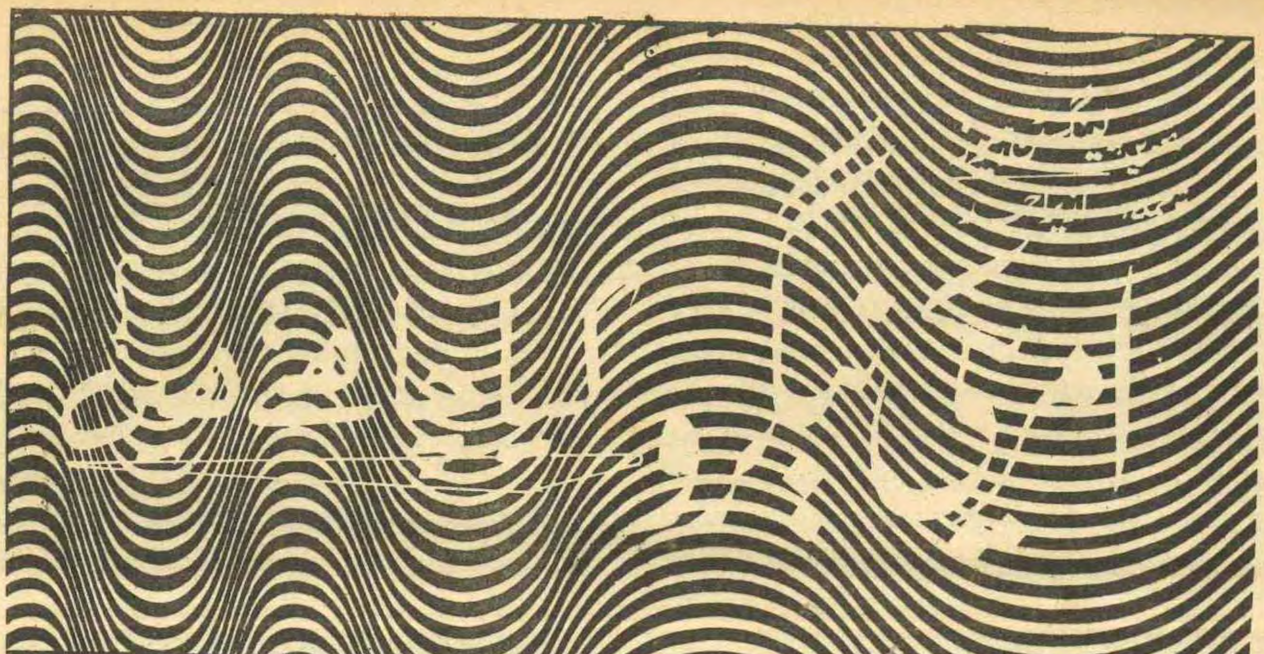
یہ ہی وجہ ہے کہ ڈومینکن کے عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے اب نئی نئی چالیں چلی جا رہی ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی ہے کہ امریکی ریاستوں کی تنظیم کے زیر اہتمام "انتخابات" کروا دیئے جائیں ——— لیکن کرنل کمانو کو ——— ویت نام کے سلسلے میں "انتخابی حل" کے متعلق امریکہ کا موجودہ رویہ اچھی طرح معلوم ہے۔ اس لئے وہ اس دھوکے میں نہیں آئے اور انھوں نے صاف صاف اعلان کر دیا ہے کہ۔

"سب سے پہلے انقلاب کے مقاصد
کی تکمیل ہونی چاہئے۔ اس کے بعد
ہی دوسری باتیں ہونگی"

کمانو کا جواب بالکل صحیح ہے۔ امریکہ اب قومی یا بین الاقوامی معاہدوں کو نبھانے کے سلسلے میں قطعی طور پر اپنی ساکھ ختم کر چکا ہے۔ اس کا اعتبار کرنا، سیاسی طور پر دھوکہ کھانا ہے جب ڈومینکن کے عوام آمریت کو ختم کر کے ۱۹۶۳ء کا دستور دوبارہ نافذ کرنے کے حق میں تھے تو امریکہ اسکی مخالفت کر رہا تھا۔ اور اب پھر دستوری حکومت اور انتخابات کی دہائی دے رہا ہے۔ اس کا اپنا کوئی ایک اصول ہے ہی نہیں۔ گھڑی میں ماشہ گھڑی میں رتی۔ وہ امریکی فوجیں جو "امریکی شہریوں کی زندگی کی حفاظت" کے لئے گئی تھیں وہ انقلاب دشمن امبرٹ کی فوجوں کے دوش بدوش جنگ کر رہی ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ ہوتا رہے گا۔ ممکن ہے کہ آج امریکہ اپنی مزید فوجیں لا کر اس انقلابی طاقت کو دبا لے لیکن جیت ہر حال میں کمانو کی ہی ہونی ہے۔ کیونکہ عوام کبھی نہیں ہارتے ——— سینوں میں لگی ہوئی آگ کون بجھا سکے گا؟ سچائی، مساوات اور آزادی کے متوالوں کو کون ہرا سکے گا؟؟ ——— کیونکہ

ترقی پسند طاقتوں کے سامنے رجعت پرطاقتوں کو شکست، دائمی — شرمناک — اور بدترین ——— شکست حاصل ہوئی ہے — !!





نیگرو مسئلہ کے متعلق اپنے سفید فام دوستوں سے بات چیت کرتے ہوئے ہمارے ساتھ کئے جانے والے غیر جمہوری سلوک کے بابت ان کی عدم واقفیت پر انتہائی حیرت ہوتی ہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ہمارے سفید فام دوست اکثر یہ سن کر حیران اور متعجب ہوتے ہیں کہ امریکہ کے نیگرو باشندوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک ہوتا ہے اور اس قدر عام ہوتا ہے۔ نیگرو ہونے کی وجہ سے میں چونکہ نہ تو جھلّا سکتا ہوں نہ غصہ ہو سکتا ہوں اور نہ ہی کسی اور طریقے سے اپنے ردعمل کا اظہار کر سکتا ہوں۔ لہذا ہمارے ان دوستوں کو اس کا یقین مشکل ہی سے آتا ہے کہ حالات اس حد تک خراب ہو سکتے ہیں اور اکثر ہم سے ہمدردی رکھنے والے دوست بھی پوچھ بیٹھتے ہیں۔

— "آخر تم چاہتے کیا ہو؟" اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ واضح طور پر اس کا اظہار کر دیا جائے کہ بیس اور دوسرے بیس لاکھ امریکی نیگروں کے مطالبات کیا ہیں۔ یہاں میں جن چیزوں کا ذکر کروں گا وہ بنیادی اور غیر متنازعہ فیہ ہیں۔ یہ ایسے مطالبات ہیں جن کی خواہش بلا امتیاز رنگ و نسل ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا ہر باعزت شہری کرتا ہے۔

ہمارا سب سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ ہمیں باعزت روزگار حاصل کرنے کا موقع حاصل ہونا چاہیئے۔ آپ امریکہ کے کسی بھی شہر میں کسی سڑک پر جا رہے ہوں تو یہ بات آپ کی توجہ اپنی طرف ضرور منعطف کرائے گی کہ کسی دوکان میں کوئی سیلز مین کسی بینک میں کوئی کلرک یا افسر اور سڑک پر دوڑتی بھاگتی کاروں اور بسوں کا ڈرائیور کوئی نیگرو نہیں ہے۔ ٹریفک کا کوئی سپاہی بھی نیگرو نہیں ملے گا۔ غرضیکہ اس قسم کی کسی بھی جگہ پر آپ کو نیگرو نظر نہیں آئے گا۔

آپ امریکہ کی سیر کر رہے ہوں گے تو کسی بھی خاص سڑک کی عمارتوں اور دوکانوں میں نیگرو لفٹ آپریٹر، دربان اور چوکیدار، ادنی ملازم یا خادمائیں ہر جگہ نظر آئیں گی — کارخانوں میں بھی کم و بیش یہی صورت حال ہے مشینوں کی صفائی اور ایسے ہی چھوٹے چھوٹے کاموں پر تھوڑے بہت نیگرو نظر آئیں گے مگر دوسرے فنی کاموں پر یہاں بھی ان کی غیر موجودگی آپ ضرور محسوس کریں گے۔ کارخانوں کے اکثر مالک اس بات کی شکایت کرتے ہیں اور ان کی یہ شکایت بہت صحیح بھی ہے کہ یونینوں کے کرتا دھرتا کالی نسل والوں کو ہنرمند مزدور کی حیثیت سے یا ٹیکنیکل کاموں کے لئے اپرنٹس کی حیثیت سے رکھے جانے پر رضامند نہیں ہوتے اور رنگ اور نسل کا سوال اٹھاتے ہیں — لیکن ان جگہوں میں بھی جہاں یونین کے قسم کی کوئی رکاوٹ موجود نہیں وہاں اور ان جگہوں میں جہاں غیر ملکی مزدوروں کو ملازمت مل جاتی ہے وہاں بھی نیگرو مزدور کام پر نہیں لگائے جاتے۔ اگر مالکان سے اس سلسلے میں پوچھ گچھ کی جائے اور دباؤ ڈالا جائے تو وہ اس بات کا اعتراف کر لیتے ہیں کہ وہ نیگرو مزدور اپنے کارخانے میں رکھنے کیلئے تیار نہیں — اور وجہ اس کی یہ بتاتے ہیں کہ سفید نسل کے مزدور کالی نسل کے مزدوروں کے ساتھ کام نہیں کریں گے۔ لیکن یہ محض بہانہ سازی ہے اور حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں کیونکہ غیر ملکی سفید نسل کے لوگوں کے اندر اب تک کالی نسل کے لوگوں کیلئے امریکہ کا روایتی تعصب پیدا نہیں ہوا ہے۔

لہذا ہمارا اولین مطالبہ یہ ہے کہ ہمیں بھی مساوی اقتصادی مواقع حاصل ہوں۔ ہمیں یہ حق حاصل ہو کہ دوسرے تمام امریکنوں کی طرح جہاں بھی چاہیں ملازمت کر سکیں۔ اور جس پیشہ یا تجارت کے ذریعہ چاہیں روزی کمائیں — ہماری دلی خواہش ہے کہ کسی بھی کارخانے میں ہنرمند کام کرنے یا ہنرمند کام سیکھنے کے لئے کسی بھی نسل کے لوگوں کے ساتھ مواقع حاصل ہوں۔ خصوصیت کے ساتھ ہم ان پلانٹس میں کام کرنے کے متمنی ہیں جہاں اربوں ڈالر کے دفاعی سامان حکومت کے پیسے سے تیار کئے جا رہے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمام امتحانات پاس کرنے کے بعد اور سفید فام ہونے کا امتحان پاس کئے بغیر چاہے ہم یہ امتحان پاس کر سکتے ہوں یا نہ کر سکتے ہوں — سرکاری ملازمتوں اور سول سروسوں میں ہمارے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہ کیا جائے۔

ہم ایسی یونینیں چاہتے ہیں جن کی اساس نسل پر نہ ہو اور ہم ایسے قانون چاہتے ہیں جن کے ذریعہ یونینوں کو نسل کی بنیاد پر کسی فرد کو کام کرنے یا یونین میں لئے جانے سے روکنے کو غیر قانونی قرار دیں۔ اس سلسلے میں مثال کے طور پر لوکوموٹو کی برادری، موشن پکچرز، آپریٹر، اسٹیج پر کام کرنے والوں کی انجمن اور بہت سے دوسرے اداروں کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ ہمیں نہ تو ایسی فوج چاہیئے جہاں ڈگرڈول اور سپاہیوں کو چھوڑ کے تمام افسر صرف سفید نسل والے ہوتے ہیں۔ نہ ہی ایسی بحریہ جس میں ہمیں صرف باورچیوں اور بیروں کی جگہیں ملتی ہیں۔

ہمارا دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ امریکہ کے طول و عرض میں ہمیں تعلیم حاصل کرنے کے مساوی مواقع حاصل ہونے چاہیئں۔ ایسے تمام تعلیمی اداروں کے دروازے جن کی اعانت پبلک فنڈ سے کی جاتی ہے نیگرو طالب علموں کے لئے کھلے ہونے چاہیئں اس فنڈ میں ان کے والدین اور سرپرستوں کی دی ہوئی رقمیں بھی ہوتی ہیں۔ میسی سپی کے ۲۵ شہروں میں نیگرو طلبا کے لئے منظور شدہ ہائی اسکولوں کی سہولتیں حاصل نہیں ہیں۔ یہاں سفید نسل کے طلبا کی تعلیم پر ۹۲۸۸ ڈالر کے مقابلے میں نیگرو طلبا کی تعلیم پر صرف ایک ڈالر خرچ کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس ریاست کی ۱۵ فیصد آبادی نیگرو ہے۔

پبلک اسکولوں میں نیگرو ٹیچروں کو مساوی تنخواہیں ملنی چاہیئں۔ متعدد ریاستوں میں سفید نسل کے ٹیچروں کے مقابلہ میں انہیں صرف نصف تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ ہمارا یہ بھی مطالبہ ہے کہ ایسے تمام اسکولوں میں جن کے نام کے ساتھ عیسائی لگا ہوا ہے ان میں یا تو نیگرو باشندوں کے داخلہ کی عام اور بلا روک ٹوک

اجازت ہونی چاہیئے یا پھر ان کے نام سے عیسائی کا لفظ خارج کر دینا چاہیئے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جس طرح دوسرے تمام باشندوں کو درس و تدریس کا کھلا حق حاصل ہے اسی طرح یہ حق ہمارے لئے بھی عام ہونا چاہیئے۔

ہمارا تیسرا مطالبہ یہ ہے کہ ہمیں صاف ستھری اور معقول رہائش ملنی چاہیئے بڑے شہروں میں قدیم اور غیر آباد علاقوں میں رہتے رہتے جہاں سفید نسل کے لوگوں نے رہائش ترک کی ہوئی ہے۔ ہم تنگ آ گئے ہیں پھر ہمیں ان غیر آباد اجاڑ اور ویران علاقوں میں دوگنا تیگنا کرایہ دینا پڑتا ہے ہم اس رہائشی علیحدگی سے عاجز آ چکے ہیں جس کے نتیجے میں پیسہ ہونے کے باوجود اپنی پسند کا مکان نہ تو خرید سکتے ہیں اور نہ کرایہ پر حاصل کر سکتے ہیں ہمیں پبلک بلیٹن کے گھوٹو نظام پر سخت اعتراض ہے جس کے ذریعہ نیگرو باشندوں پر اپنی مرضی کے مطابق جائداد کی خریداری پر پابندی عائد کی جاتی ہے ــــ ہمیں گندے علاقوں اور محلّوں میں رہنے پر مجبور کئے جانے پر سخت اعتراض ہے رنگ و نسل کی انہی رہائشی پابندیوں کی وجہ سے ہم مکان کے مالکوں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں کہ وہ جس قدر کرایہ چاہیں ہم سے وصول کریں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ ہم یہاں سے کسی اور جگہ منتقل ہو ہی نہیں سکتے۔ ہمیں اس بات پر بھی سخت اعتراض ہے کہ ہمیں اپنی جائدادوں پر قرضے نہیں مل سکتے۔ یا تعمیر کرنے کے لئے یا تعمیر کرنے کے بعد نہ تو قرض مل سکتا ہے اور نہ ہی ان املاک کا بیمہ ہو سکتا ہے۔ اور تمام باتوں کی وجہ صرف اس قدر ہے کہ ہم کالی نسل سے ہیں اور کالی نسل کے باشندوں کے علاقہ میں رہنے پر مجبور ہیں۔ شہر کے ان علاقوں میں جہاں کالی نسل کے باشندے رہتے ہیں۔ سڑکوں کی مرمت، گندگی اور کوڑا کرکٹ کی صفائی، روشنی، ڈرینیج اور اس قسم کی دوسری سہولتوں کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے حالانکہ ٹیکس ہم بھی دیتے ہیں۔

اسی لئے ہمارا چوتھا مطالبہ یہ ہے کہ حکومت کے کاروبار، میونسپلٹی، ریاست اور قومی اداروں میں ہمیں پوری طرح شریک کیا جائے کیونکہ صرف اسی طرح ہمیں اس بات کا یقین ہو سکتا ہے کہ موجودہ بدقسمت صورت حال کا ازالہ کیا جانا ممکن ہے۔ لہٰذا ہم انتخابات میں ناجائز سیاسی اثر ڈال کر کسی فریق کو فائدہ پہنچانے اور علاقوں کے تقسیم کرنے کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ ان تمام ہتھکنڈوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نیگرو ووٹوں کو تقسیم کر دیا جائے۔ اور اس طرح انہیں شہر یا ضلع یا ریاست کی انتظامیہ کے لئے ان کے اپنے پسند کے نمائندے منتخب کرنے سے روکا جائے۔

ہم اس بات پر بھی احتجاج اور اپنے غم و غصہ کا اظہار کرتے ہیں کہ جنوبی علاقہ میں ہمیں سرے سے ووٹ دینے کی اجازت ہی نہیں دی جاتی۔ اگر ہمیں حق رائے دہی حاصل نہ ہو تو ہم خراب رہائش خراب سڑک، خراب اور گندے نالے اور خراب اسکول کے خلاف جد و جہد کس طرح کر سکیں گے۔ اور اگر جیسا کہ مکساس میں ہوتا ہے۔ حکومت اور تمام شہریوں کو کنٹرول کرنے والی ڈیمو کریٹک پارٹی (اس علاقہ میں تقریباً دس لاکھ نیگرو آباد ہیں) کا ممبر بننے کی ہمیں اجازت ہی نہ ہو تو ہم جمہوری طریقے پر کس طرح اپنی حالت بہتر کر سکتے ہیں۔

پانچویں نمبر پر یہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ قانون ہمارے ساتھ بھی منصفانہ سلوک کرے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ اہل جیوری نیگرو بھی ہوں اور یہ کہ اس خدمت کے لئے ہمیں زیادہ تعداد میں بلایا جائے ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں ججوں کے انتخاب کا حق حاصل ہو (جس کے معنی پھر یہی ہوئے کہ ہم ووٹ دینے کا حق مانگتے ہیں) ہم مناسب قومی نمائندگی چاہتے ہیں کیونکہ چند ریاستوں میں یہ ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے وہاں نیگرو عدالتوں میں پریکٹس نہیں کر سکتے۔

ہم پولیس کی بربریت اور مظالم سے تحفظ چاہتے ہیں جو نیگرو علاقوں میں عام ہے اور جن سے بچنے کے لئے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے ــــ اسی لئے ہم نیگرو پولیس چاہتے ہیں دوسرے الفاظ میں ہم قانون کے سامنے مساوی حقوق چاہتے ہیں۔ کیونکہ ابھی تک تو یہ عالم ہے کہ ہر قسم کے قانون زبردستی ہمارے سر تھوپ دیئے جاتے ہیں اور یہ شاذ و نادر ہی منصفانہ ہوتے ہیں۔

چھٹے یہ کہ ہم اپنے لئے بھی وہی خوش خلقی چاہتے ہیں جو عام طور پر تمام شہریوں کے لئے ہوتی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دوکانوں، گیس اسٹیشنوں، ریسٹورانوں ٹرینوں، ٹراموں اور بسوں میں ہمارے ساتھ بھی نرمی اور عزت کے ساتھ پیش آیا جائے۔ ہمارے علاقوں میں میکسیکو کے رہنے والوں اور کالے رنگ کے تمام دوسرے باشندے بھی اس مطالبے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہمیں سخت حیرت ہے کہ جنوبی علاقہ میں ہمیں مسٹر یا مسز یا مس کے عام مروجہ اخلاقی طرز تخاطب سے کیوں محروم رکھا جاتا ہے اور دوکاندار اور دوسرے تمام لوگوں کو اس بات کی آزادی کیوں ہوتی ہے کہ وہ ہمیں محض "میری" "جم" یا "اے تم" کہہ کر مخاطب کریں۔ حالانکہ ہم دوسرے کے ساتھ اچھے طور طریق اور عادات و اطوار اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اور سب سے آخر میں ہم پبلک ملازمتوں میں مساوات چاہتے ہیں سفید فام نسلوں کو یہ حق پہلے ہی سے حاصل ہے اور جہاں تک ان کا تعلق ہے کوئی قانون ایسا نہیں ہے جو انہیں اپنی خواہش کے خلاف شادی کرنے پر مجبور کر سکے یا ڈنر یا اسی قسم کی دیگر تقریبات میں اپنی خواہش کے خلاف کسی دوسرے شخص کو مدعو کرنے پر مجبور کر سکے۔

ہم نیگرو دوسروں کی نجی زندگی میں زبردستی دخل انداز ہونے کے خواہش مند نہیں ہیں لیکن ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ دوسرے امریکیوں کی طرح ہمیں بھی پبلک سہولتوں کی تمام اشیا استعمال کرنے کا حق حاصل ہو اور ان کو استعمال کرتے ہوئے ہمارا تحفظ بھی ہو کیونکہ ابھی ہم میونسپل پارک، کھیل کے میدان، شفاخانوں اور سماعت خانوں میں آزادی سے نہیں جا سکتے۔ اور اگر وہاں چلے گئے تو ہمارے لئے ہر طرح کا خطرہ موجود ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی ہم یہ حق بھی چاہتے ہیں کہ سفر کرتے ہوئے کسی بھی ڈائننگ کار میں کھانا کھا سکیں یا کسی ہوٹل یا آٹو کیمپ میں (جو عام استعمال کے لئے کھلا ہو) قیام کر سکیں۔

ہم کوئی ایسی بات نہیں چاہتے جو جمہوریت اور جمہوری اصولوں سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔ آئین اور عیسائیت سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔ کسی بھی حساس اور متمدن طرز رہائش سے مطابقت نہ رکھتی ہو۔ ہم محض اقتصادی اور تعلیمی مواقع چاہتے ہیں اچھی رہائش چاہتے ہیں، حکومت کے کاروبار میں شرکت چاہتے ہیں ــ قانون سے انصاف چاہتے ہیں اور پبلک ملازمتوں میں مساوات چاہتے ہیں۔

کیا ان چیزوں کی خواہش کرنا غلطی ہے؟" اگر ہے تو کیا امریکہ میں تیس لاکھ نیگرو آباد نہیں ہیں ہم اچھے جذبے والے لوگ ہیں اور دوسروں سے بھی اچھے جذبے کی توقع رکھتے ہیں ــــ ٭

چوڑیوں والی

عبداللہ عرفان

مجھے وہ عجیب سی لگی، سوتی ساڑھی میں ملبوس تیسرے درجے کی ایک — مفلوک الحال ادھیڑ عورت — اس کا لکھنوی لہجہ اور شستہ انداز گفتگو مجھے بھلا معلوم ہوا۔ پاکستان آنے والی گاڑی میں ابھی چھ گھنٹے باقی تھے۔ ہندوستانی کسٹم پولس کے بھیڑیئے اپنی خونخوار آنکھوں سے مسافروں اور ان کے سامان کی طرف گھورتے پھر رہے تھے۔ ابھی سامان کی باقاعدہ تلاشی شروع نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اپنا مختصر سا سامان چیکنگ سپاٹ سے اس طرف کچھ فاصلے پر رکھ چھوڑا تھا — سب سے چھوٹی بچی دودھ کے لئے بلبلا رہی تھی۔ باقی بچوں میں سب سے بڑے صمد کی عمر اسوقت صرف سات سال کی تھی۔ ٹی اسٹال تک جانے کے لئے مجھے بچوں کو اکیلا چھوڑنا پڑتا۔

وہ میرے قریب سے گزرتے ہوئے رک گئی۔

"بچی کو دودھ پلایئے نا بہن! غریب بھوک سے نڈھال ہو رہی ہے۔"

"جی دراصل بچے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

میں کہتے کہتے رک گئی۔ اسکی شخصیت ہی عجیب تھی، دور سے دیکھنے پر وہ اپنی پٹاری سمیت ایک بھکارن معلوم ہوتی تھی۔ لیکن قریب سے اس کے متین و سنجیدہ چہرے سے شاید ہی کوئی متاثر ہوئے بغیر رہ سکتا۔

"اکیلے رہ جائیں گے۔"

اس نے سر کو جنبش دیتے ہوئے میرے فقرے کو مکمل کر دیا۔

"اور آپ کے میاں؟"

اس نے پٹاری میرے قریب رکھ دی اور صمد کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی

"وہ اللہ کو پیارے ہو گئے —"

"میرا خیال ہے اب یہاں آپ کا کوئی نہیں رہا۔ اور آپ یہاں سے مائیگریٹ کر کے اپنے عزیزوں کے ہاں پاکستان جا رہی ہیں۔"

اس نے بڑے متین لہجے میں اپنا خیال ظاہر کیا۔ ایک بھکارن کے منہ سے لفظ مائیگریٹ، سن کر میری اس سے دلچسپی اور بھی بڑھی۔

"جی آپکا اندازہ درست ہے —"

"اور آپکی داستان بھی بڑی دلچسپ ہوگی — میں ضرور سنونگی۔ مگر پہلے آپ برتن دیجئے۔ میں بچی کے لئے دودھ لے آؤں۔"

وہ جاتے جاتے رکی۔

"دیکھئے۔ میرے سامان کا خیال رکھئے گا۔"

اس نے مسکراتے ہوئے پٹاری کی طرف اشارہ کیا۔ اسکی مسکراہٹ دیویوں الیسی تھی۔ پاکیزہ اور پر خلوص۔ مگر نہ جانے کیوں — اسکی ان ہمدردیوں سے میرے ذہن میں ایک خدشہ سا پیدا ہو رہا تھا — ممکن ہے وہ مجھے لوٹنا چاہتی ہو۔ اور کچھ نہیں تو دودھ کا برتن ہی لے کر نہ چلی جائے — مگر اسکی پٹاری تو یہاں موجود ہے

ممکن ہے یہ بھی کوئی چال ہو، ہو سکتا ہے اس پٹاری میں کوئی خطرناک چیز ہو جسے وہ مجھے پھانسنے کے لئے استعمال کرنا چاہتی ہو — ہو سکتا ہے وہ کوئی بردہ فروش ہو — میرے بچے!! — میں خوفزدہ ہو گئی۔ اور تمام بچوں کو اپنے قریب کر لیا

وہ بڑی متانت سے، دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ہوئی واپس آ رہی تھی اس کے چہرے پر اب بھی وہی حسن، وہی وقار اور وہی پاکیزہ مسکراہٹ تھی۔

"معاف کیجئے گا بہن دیر ہو گئی۔ ٹی اسٹال پر رش بہت تھا۔ اس پلیٹ فارم سے آج شاید فوجی رجمنٹ گزر رہی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں بہن۔"

میرا ضمیر مجھے ملامت کرنے لگا۔ ایسی نیک دل عورت [illegible] میں، میں نے بے ہودہ کیوں سوچا۔؟

وہ منی کو اپنی گود میں لے کر بوتل سے دودھ پلا [illegible] بولی —

"ہاں۔ اب سنایئے اپنی داستان!"

"وہ حکومت ہند کے ایک بڑے عہدے [illegible] تھے۔"

مجھے اپنے ماضی کو کریدنا نہیں پڑا — زخم [illegible] اور بالکل نمایاں —

"میں کالج سے فارغ التحصیل ہو کر آئی [illegible] تقسیم ہند سے کچھ ہی روز پیشتر ہماری شادی ہو گئی۔ چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کی روتی ہوئی تصویر اب بھی میری نگاہوں کے سامنے گھوم رہی ہے۔ وداع کرتے وقت ابّو نے جو تسلیاں دی تھیں ان کی یاد بھی ابھی تک میرے ذہن سے محو نہیں ہوئی ہے — پھر ابو کا خط ملا — انھوں نے لکھا کہ ہم پاکستان کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔ تم لوگ بھی بغیر کسی تاخیر کے پاکستان چلے آؤ — لیکن وہ نہیں مانے — کہنے لگے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ سب آفیسر میرے دوست ہیں۔ اور پھر میں یہاں اتنے بڑے عہدے پر فائز ہوں۔ کیا پتہ پاکستان میں ہمارا کیا حشر ہو۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سرزمینے ہند ہماری جنم بھومی ہے — ہماری ماں ہے۔ مجھے یہاں رہ کر ماں کی گود کا سا سکون مل سکے گا — میں اپنی ماں کی خدمت کر سکوں گا۔ میں اپنی ماں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں —

اور وہ اپنی ماں کی خدمت میں مصروف ہو گئے — وہ رات گئے واپس آتے اور صبح سویرے ناشتہ کئے بغیر دفتر چلے جاتے۔ میں پوچھتی تو کہتے — "اب ہمارا اپنا دیش ہے، اپنی حکومت ہے، ہمیں نئی نئی آزادی ملی ہے۔ بدیسی لٹیروں نے ہمارے ملک کو مفلوک الحال بنا دیا ہے۔ اب ہم ہی دن رات محنت کر کے اپنے دیس کو ترقی دے سکتے ہیں۔ کیوں؟ ٹھیک ہے نا؟" وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا دیتے اور میں انکی مسکراہٹوں میں کھو جاتی۔ سب کچھ بھول جاتی —

دو سال کے بعد انھیں ہلکا ہلکا سا بخار رہنے لگا۔ پھر کھانسی کے دورے پڑنے شروع ہوئے اور وزن مسلسل کم ہوتا گیا۔ مگر وہ ہمت نہیں ہارے۔ انھوں نے اپنے روزمرہ کے پروگرام میں شمہ بھر تبدیلی نہ کی — وہ برابر اپنی صحت کا جوہر بھارت ماتا کی نذر کرتے رہے

اسی طرح کئی سال بیت گئے۔ اب وہ چلتا پھرتا انسانی ڈھانچہ ہی معلوم ہوتے تھے ـــ آزاد دیش کو اپنے سپوت کی دن رات مسلسل جہد اور انتھک کوششوں کا احساس ہوا تو اس نے انھیں آرام کرنے کے لئے بغیر تنخواہ غیر معینہ مدت کے لئے جبری چھٹی پر بھیج دیا اور وہ آرام کرنے کے لئے بستر پر ایسے لیٹے کہ پھر کبھی نہ اٹھ سکے ـــ تین سال تک وہ متواتر خون تھوکتے رہے۔ اور آخر ایک روز ـــ اپنی مہربان ـــ بھارت ماتا کی نامہربان گود میں دم توڑ دیا ـــ آج میرا یہاں کوئی نہیں ـــ انکی بھارت ماتا بھی نہیں جو میرے ان یتیم بچوں کا سہارا بن سکے ـــ انکی خدمات کا بدل دے سکے ـــ

آنسوؤں اور سسکیوں کے درمیان میری آواز ڈوب گئی۔

اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا ـــ اس کے ہونٹ بھینچ گئے ـــ یہ اس کا نیا روپ تھا۔ اس روپ میں وہ بپھری ہوئی شیرنی معلوم ہو رہی تھی۔

"اس انارکی اور بربریت کے دور میں EXPLOITATION کا ہونا ضروری ہے، بورژوا نظام میں عوامی استحصال لازمی ہے، ہم سب تاریخی مادیت کے سامراجی دور کا شکار ہیں۔ بدیسی استعمار پرستوں کا جوا اتار کر ہم نے دیسی لیٹروں کی غلامی قبول کرلی ہے ـــ"

میں اس کا ایک ایک لفظ سن اور سمجھ رہی تھی۔ اس نظام کی اٹل حقیقتیں میرا منہ چڑا رہی تھی۔ جن کو کالج کے مباحثوں میں تمسخر اڑا کر میں نے اپنا ڈرائنگ روم انعامی کپوں سے بھر دیا تھا۔ آج اس بھکارن کا ایک ایک لفظ میری سمجھ میں آ رہا تھا۔

"وہ احمق تھا" وہ کہتی رہی ـــ وہ عوامی انقلاب اور استحصالی انقلاب میں فرق محسوس نہ کر سکا۔ اس نے قاتلوں کی عیارانہ تبلیغوں پر صاد کہا۔ اور بالآخر اپنے پھیپھڑوں میں لاتعداد کیڑے بسائے مر گیا۔ یہ جو اتنے دن جیا ـــ اسکی محنت کی قوت فروخت باقی تھی۔ ورنہ وہ اس سے بھی بہت پہلے اس سے بھی زیادہ ذلیل ہو کر مر گیا ہوتا ـــ وہ مر گیا اور ہمیشہ کے لئے مر گیا ـــ کاش وہ عوامی ہوتا ـــ وہ جنتا کے لئے جیتا جنتا کے لئے کام کرتا۔ بغاوتیں کرتا۔ اور جب اس پاکیزہ اور حسین جرم کی پاداش میں بورژوا سامراجی ہندسرکار ـــ اسے پھانسی کے تختے پر لٹکا دیتی تو یہ اسکی حسین ترین موت ہوتی ـــ ایک انقلابی کی موت! ـــ جسے ابدی زندگی کہتے ہیں۔ اسکی یہ ذلت کی موت ۔۔۔۔۔۔"

مجھے ایسا لگا جیسے میرے سامنے حزب اختلاف کی مقرر ذاتی حملوں پر اتر آئی ہو ـــ میں نے احتجاجاً کہا۔

"دیکھئے آپ مرحوم کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کر رہی ہیں" میرے جذبات میں ایک دفعہ پھر سطحیت کی طرف لوٹ آئی ـــ تھی۔

"نہیں بی بی جی! ـــ"

اس نے جلدی سے پٹاری کا ڈھکنا اٹھا کر اس میں سے چوڑیوں کا گچھا نکالتے ہوئے کہا۔

"میری چوڑیوں میں ایسی بات نہیں۔ آپکو سارے ہندوستان میں ایسی چوڑیاں نہیں ملیں گی۔" وہ کنکھیوں سے ایک سفید پوش بوڑھے کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ میں جلد ہی اسکی پوزیشن کو سمجھ گئی ـــ اب حقیقت پھر میرے سامنے تھی۔

"لیکن آپکی چوڑیاں مہنگی بہت ہیں"

"بی بی جی ـــ ان داموں آپ کو ان سے اچھی چوڑیاں اور کہیں نہیں ملیں گی"!

بوڑھا قریب آ کر سگرٹ جلانے کے لئے رک گیا۔

"خالص بنارسی ہیں بی بی جی! میری چوڑیاں ایسی دیسی نہیں"

اور میرے ہاتھ میں بڑے ماہرانہ اور پیشہ ورانہ انداز میں چوڑیاں پہنانے لگی ـــ بوڑھا لمحہ بھر کے لئے رک کر آگے بڑھ چکا تھا۔ اس نے چوڑیوں کا آخری جوڑا! پہناتے ہوئے اطمینان کی ایک لمبی سانس لی۔

"شکاری کتا۔!"

اس نے جیسے بے خیالی میں کہا۔ اور چونک کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی ـــ

"بہن جذباتی بننے کی ضرورت نہیں۔ میرا مقصد محض آپ کے میاں کو برا بھلا کہنے کا نہ تھا۔ بلکہ بھارت میں بسنے والے ہر اس فرد سے تھا۔ جو اس جمہوری ڈھنگ سے مطمئن۔ اپنی انمول زندگیوں اور لاقیمت محنتوں کا جوہر نچوڑ نچوڑ کر سرمایہ داری کی جڑیں مضبوط کر رہا ہے اور نادان اپنے تئیں یہ سمجھتا ہے کہ اس نے جنتا کی سیوا کی ہے بھارت ماتا کی ترقی کے لئے اپنی زندگی کی بھینٹ دی ہے۔ انھیں میں آپ کے میاں بھی شامل تھے ـــ وہ میرے اور قریب ہو کر بولی۔

"آپ یہاں سے فرار ہو کر وہاں جا رہی ہیں جہاں استعمار کے نام پر کوئی لفظ نہیں" یہ کہتے کہتے اسکی آنکھوں سے ایک طنزیہ مسکراہٹ جھلکنے لگی" جہاں عوامی لوٹ کھسوٹ اور جنتا کا استحصال نہیں ہوتا۔ جہاں ملکی دولت مٹھی بھر افراد کے ہاتھوں میں نہیں جہاں ملکی معاشیات پر جنتا کا قبضہ ہے۔ جہاں عوام کے لئے عوام کی حکومت ہے آپکا اس زندگی کے لیٹروں کے دیس سے حیات آفریں وطن کی طرف فرار مبارک ہو ـــ"

وہ مسکرا رہی تھی۔ مگر اسکی اس مسکراہٹ میں وہ دیویوں ایسی پاکیزگی نہیں تھی بلکہ ایک بھرپور طنز تھا۔

"میری اچھی بہن میرے لئے ایک کام کرو گی"

اس نے مجسم سوال بن کر نہایت عاجزی سے کہا۔ اور جب میں نے صدق دل سے فوراً ہی ہاں کہدی تو وہ بجائے خوش ہونے کے اور متفکر ہو گئی۔

"خواہ اسکے لئے آپ کو کتنی ہی دشواریوں کا کیوں نہ سامنا کرنا پڑے۔؟"

"خواہ مجھے زندگی سے ہی کیوں نہ ہاتھ دھونے پڑیں ـــ!"

یہ الفاظ جیسے مجھ سے کسی غیبی قوت نے کہلوائے ہوں۔ مجھ پر خود اعتمادی کا ایک نشہ سا چھا گیا۔ اس نے غور سے اپنے چاروں طرف دیکھا اور پھر چوڑیوں والی پٹاری کے اندر ہاتھ ڈال کر کچھ تلاش کرتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے اپنا ہاتھ پٹاری سے نکالا اور مجھے ایک پمفلٹ تھماتے ہوئے بولی۔

اپنی جان سے بھی زیادہ اسکی حفاظت کرنا ـــ اور میں چاہتی ہوں کہ اس کا ایک ایک لفظ ۔۔۔۔۔"

"ہر پاکستانی کی زبان پر ہوگا"

میں نے اس کا فقرہ مکمل کر دیا۔

"خدا آپکو کامیاب کرے۔ میرا انتخاب کبھی غلط نہیں ہوتا۔"

میں ایک انجانی خوشی سے مخمور ہو چکی تھی۔

آج مجھے یہاں۔ پاکستان آئے کئی سال بیت چکے ہیں۔ "نئی جنتا" میری اس ہندوستانی بہن کا دیا ہوا پمفلٹ ابھی تک میرے زیورات کے ساتھ گھر کے آنگن میں دفن ہے ـــ

اور ابھی تک اس کا ایک لفظ بھی کسی ایک پاکستانی کے کانوں تک نہیں پہنچ سکا ـــ

سوچتی ہوں کیا مجھے بھی گلی گلی کوچہ کوچہ چوڑیاں بیچنا پڑیں گی۔؟؟

سائنس

محمد ریاض صدیقی

ایک عام فہم حقیقت

اردو زبان اس منزل پر پہنچ چکی ہے جہاں سے اسکی وسعت کا اندازہ لگانا ممکن ہے،
لیکن اس کے باوجود ابھی تک ہم اپنی قومی زبان کو سائنس کی حقیقتوں سے مالا مال نہ کر سکے۔
ہندوستان میں ریاست عثمانیہ کے زوال کے ساتھ ہی سائنس اور اردو کا تعلق بھی منقطع ہو
گیا۔ ہمارے ملک میں چند مقتدر ہستیوں نے اس ضرورت کو نہ صرف محسوس کیا ہے بلکہ
سائنس کو اردو زبان کا لباس پہنایا ہے۔ لیکن انکی تعداد کم ہے۔ حالانکہ اردو زبان سائنسی
حقائق کو بڑی آسانی سے ان لوگوں تک پہنچا سکتی ہے جو سائنس کی دنیا سے نا آشنا ہیں
سائنس اب نہ صرف معاشرے کا جز ہے۔ بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے آسانی سے
سمجھا جا سکتا ہے۔ آج سائنس ہماری زندگی کے دامن تک پہنچ گئی ہے۔ جوہری توانائی اور
تابکاری اثرات سے کرہ ارض پر بسنے والی ہر قوم متاثر ہے۔ جاپان کا شہر ہیروشیما جوہری توانائی
کے اثرات کی بدولت اپنی ساری آبادی کے ساتھ چند لمحوں میں فنا ہو گیا۔ اس کے علاوہ ہم اپنی
روزانہ زندگی میں بہت سے ایسے عمل کرتے ہیں جن میں سائنس کے بنیادی نکات پنہاں ہیں اور
ان کا سمجھنا بہت آسان ہے۔

حرکت، رفتار، یا چال۔ اردو زبان کے عام الفاظ ہیں اس کا مفہوم سبھی جانتے ہیں۔
رفتار اور چال اردو شاعری میں عام ہے۔ محبوب کی چال میں نزاکت کا تذکرہ اردو
شعراء کا محبوب عنوان ہے۔ اس سے زیادہ ان تینوں لفظوں کی تشریح ممکن نہیں۔ لیکن سائنس
میں حرکت کا عمل ایک ایسا مرکز ہے جس کے گرد آج کی جدید سائنس اور مشینی زندگی گھوم رہی ہے
حرکت میں دو ایسے عام فہم عمل پنہاں ہیں جنھیں ہر شخص معمولی سی توجہ کے بعد سمجھ سکتا ہے۔
جب بھی کوئی جاندار جسم چلتا ہے یا بے جان جسم اپنی جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے دو نکات
پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک وہ فاصلہ جسے طے کیا گیا۔ دوسرا وہ وقت جو اس عمل کے دوران
صرف ہوا۔ فاصلہ اور وقت کا یہ عمل حرکت ہے۔ جب اسی عمل کو ہم اشاروں کے ساتھ
واضح کرتے ہیں تو وہ کلیہ ریاضی کا روپ دھار لیتا ہے۔ اگر حرکت کے لئے ہم حرف
"ح" فاصلے کے لئے حرف "ف" اور وقت کے لئے حرف "د" لکھیں تو حرکت کا،
آسان اظہار ہوتا ہے۔

$$ح = \frac{ف}{د}$$

ہم کام کرتے ہیں اور مادوں سے کام لیتے ہیں۔ کام کا مفہوم ہم سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن
اس کی تشریح کرنا ممکن نہیں۔ سائنس کام کی اصل حقیقت کو بے نقاب کر دیتی ہے۔ جب
بھی ہم کام کرتے ہیں ہمیشہ دو عمل سامنے آتے ہیں۔ ہم نے کچھ قوت صرف کر کے کسی چیز کو
حرکت دی اور اس نے کچھ فاصلہ طے کر لیا۔ چنانچہ قوت اور فاصلے کے ضرب کا نام کام ہے
اگر ہم کام کے لئے "ک" قوت کے لئے "ق" اور فاصلے کے لئے "ف" استعمال کریں
تو یہ ایک کلیہ بن جاتا ہے۔

کام = قوت × فاصلہ یا ک = ق × ف

کام کے ساتھ ایک حقیقت منسلک ہے جس نے محور پر آج ترقی کا انحصار ہے۔ کام
کے اندر ایک اور راز پنہاں ہے اور وہ ہے کام کرنے کی مقدار۔ ایک بیس سالہ جوان آدمی
صرف دو گھنٹے کی سخت محنت کرنے کے بعد تھک جاتا ہے اور اس قابل نہیں رہتا کہ اور
زیادہ کام کر سکے۔ دوسرا بیس سالہ نوجوان چھ گھنٹے کام کر سکتا ہے۔ ایک ہی عمر اور صحت رکھنے
والے انسانوں کی کام کرنے کی مقدار میں فرق ہے۔ کائنات کا ہر جاندار اور بے جان
مادہ کام کرتا ہے اور ایک مقررہ مقدار کے تحت کرتا ہے۔ مقدار کام کو توانائی ENERGY
کہتے ہیں۔ یہی توانائی مادے کی وہ پوشیدہ کڑی ہے جس کی تحقیق نے دنیا کی تاریخ پلٹ
کر رکھ دی ہے۔ اور انسان فضائی وسعتوں کو عبور کرتا ہوا خلا میں پرواز کر رہا ہے۔

جوہر اور تابکاری مادّے

ATOM AND RADIO ACTIVE SUBSTANCES

مادہ کائنات کی تعمیر کا جز ہے۔ مختلف شکلوں میں ہزارہا انواع و اقسام کے مادوں
کا باہمی اشتراک کائنات کا روپ اختیار کئے ہوئے ہے۔ مادے کی تقسیم کی وہ،
آخری کڑی جس کے بعد اسکی اور زیادہ تقسیم ممکن نہ رہے جوہر یا (ATOM)
کہلاتا ہے۔ جوہر مادے کی وحدت کی وہ اکائی ہے جسے ہم ایک ذرہ کہہ سکتے ہیں
اور جس کا دیکھ لینا دنیا کی جدید ترین خوردبین سے بھی ممکن نہیں ہے۔ مادے کے اس جوہر میں
توانائی کی عظیم ترین قوتیں مقید ہیں۔ توانائی کی قوت اور اس کی مقدار ہر مادے میں علیحدہ علیحدہ
مقدار رکھتی ہے۔ بعض مادوں کے جوہر توانائی کی بے پناہ قوتوں سے لبریز ہوتے ہیں اور
بعض کم۔ توانائی حرارت۔ برق اور شعاعوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ یہاں ایک اور بنیادی
انکشاف ہوتا ہے اور وہ یہ کہ یہی جوہر جب باہمی اشتراک کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو مادہ
بن جاتے ہیں اور باہمی اشتراک کی شکل میں متحد جوہر اپنی ساری طاقت و توانائی اپنے اندر
ہی مقید رکھتے ہیں اور کوئی نمایاں اثرات ظاہر نہیں کرتے۔ لیکن جب یہ جوہر کی شکل میں آزاد
ہو کر نکلتے ہیں تو انکی رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔

چند ایسے مخصوص مادوں کا گروپ بھی ہے جن میں ان مادوں کے جوہر تنہا اور باہمی
اشتراک دونوں صورتوں میں اپنے اثرات یا توانائی خارج کرتے ہیں۔ اور اخراج کا یہ عمل مسلسل
ہوتا رہتا ہے۔ ایسے مادوں کو تابکار مادہ کہتے ہیں — RADIO ACTIVE
SUBSTANCE — رات کی تاریک فضا میں اپنی گھڑی کا ڈائل دیکھئے سوئیاں
اور وقت کے نمبر تاریکی میں چمکتے ہیں۔ کیوں۔ اس لئے کہ ڈائل کی سوئیاں اور نمبروں
میں تابکار مادہ RADIAM ہوتا ہے۔ اس مادے سے ہر لمحہ روشنی کی چمکتی
ہوئی شعاعیں خارج ہوتی ہیں۔ اور ان شعاعوں کی چمک تاریکی میں نمایاں ہوتی ہے اسی
طرح کے بعض تابکار مادوں کی توانائی سے انسانی بہبود کے مختلف کام لئے جا رہے ہیں۔

جوہر میں توانائی اور قوت کے مراکز اور ہیئت ترکیبی

ATOMIC STRUCTURE AND ENERGY SHELLS

وحدت اور اپنی انفرادی شکل میں جوہر کے اثرات محسوس کئے گئے۔ جوہر کا یہ ذرہ اپنے اندر توانائی کی کچھ شکلیں رکھتا ہے۔ جب جوہر کی حقیقی شکل معلوم کرنے کی جستجو کی گئی تو ایک اور حیرت انگیز حقیقت معلوم ہو گئی اور وہ تھی جوہر کی ایک مخصوص شکل جس میں ایک خاص ترکیب کا عنصر ہوتا ہے۔ جوہر کی تعمیری شکل اور وہ نقطے جو اس شکل میں پیوست ہیں توانائی کے مرکز ہیں۔ ہر مادے کا جوہر ایک ہیئت ترکیبی پر تعمیر ہے۔ جوہر کا مرکز ایک دائرہ نما چھوٹا سا نقطہ ہے۔ اس مرکزی نقطے کے چاروں جانب دائرہ نما چکر ہوتے ہیں نقطہ NEUCLEUS اور چکر ORBITS ہیں۔ نقطہ اور چکر دونوں میں چھوٹے چھوٹے ذرات ہوتے ہیں۔ ان ذرات کی تعداد مقرر ہوتی ہے اور ہر مادہ ایک مخصوص تعداد میں ذرے رکھتا ہے۔ یہی تعداد ایک مادے کو دوسرے مادے سے علیحدہ کرتی ہے۔ اور اسی لئے ہر مادہ اپنی خصوصیات اور اثرات میں مختلف ہوتا ہے۔ ایک اہم قابل توجہ نقطہ یہ بھی ہے کہ جقدر ذرات مرکز میں ہوں گے بالکل اتنے ہی ذرات باہر چکروں میں بھی ہوتے ہیں۔ جب ان ذرات پر تحقیقی نگاہ ڈالی گئی تو معلوم ہوا کہ مرکز کے تمام ذرات ہمیشہ مثبت برق POSITIVE ELECTRICITY اور چکروں کے ذرات ہمیشہ منفی برق NEGATIVE ELECTRICITY سے لبریز ہوتے ہیں۔ یہ ہی ذرات توانائی کے ذخیرے ہیں۔ جن میں توانائی برقی لہروں، مقناطیسی لہروں شعاؤں اور حرارت کی شکل میں موجود رہتی ہے۔

جوہر کا وہ کھیل جس نے آج ہمیں حیرت میں ڈال رکھا ہے کیا ہے۔ جوہر اپنی انفرادی شکل میں جیسا کہ ابھی ابھی تبلایا گیا ہے اپنی توانائی کے مرکز کو متوازن رکھتا ہے۔ اور تقریباً بے اثر رہتا ہے۔ لیکن جونہی توانائی کے یہ حصے کسی ذریعے سے توڑ کر علیحدہ کئے جاتے ہیں۔ یعنی مثبت برقی اور منفی ذرات کو ایک دوسرے کی اصل جگہوں سے علیحدہ کیا جاتا ہے تو وہ متوازن توانائی۔ برق۔ روشنی کی شعاعیں۔ مقناطیسی لہریں اور حرارت بن کر فضا میں بے پناہ تیزی اور زبردست قوت کے ساتھ خارج ہونے لگتی ہے اور توانائی کا یہی اخراج تباہی کا، پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

جوہری توانائی کی دو نوعیتیں ایک وقت میں رونما ہوتی ہیں۔ اور وہ ہیں تعمیر اور تخریب۔ اب یہ انسانوں کا کام ہے کہ اس قوت کو سنبھال کر تعمیر کی طرف مائل کر دے یا تخریب کی طرف دونوں ہی صورتوں میں قوت کی مقدار ناقابل پیمائش ہوتی ہے۔ جس بھیانک انداز سے ذرا سے وقت میں یہ منتشر توانائی انسانی زندگی کو نیست و نابود کر سکتی ہے۔ اتنے ہی وقت میں یہ تعمیر کا حیرت انگیز کارنامہ بھی انجام دے سکتی ہے۔ اب موجودہ دنیا کی اقوام کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ اس قوت کو کیسے استعمال کریں گے۔ آج اسی جوہری توانائی نے زمان و مکان SPACE AND TIME کی ساری وسعتیں انسان کی گرفت میں پہنچا دی ہیں۔

بقیہ :- اداریہ



رعایتیں بھی دی گئی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سرمایہ داروں کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکے گی۔ شاید یہی ساری وجوہات ہیں کہ ایوان ہائے تجارت و صنعت کی فیڈریشن کے صدر جناب لطیف ابراہیم صاحب۔ کراچی چیمبر آف کامرس کے قائم مقام صدر، جناب عثمان کھانڈ والا، حبیب سنز گروپ کے چیرمین جناب کے ایم بشیر اور ان کے علاوہ جناب امیر علی ایچ فینسی، جناب محمد علی رنگون والا نے اس بجٹ کا خیر مقدم کرتے ہوئے "ترقیاتی" "منصفانہ" اور "حقیقت پسندانہ" بجٹ قرار دیا ہے۔

اس بجٹ میں ترقیاتی رقم کا پانچ فیصدی حصہ دفاعی انتظامات کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اسی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ جنگ کس طرح ترقی کی رفتار کو روکتی ہے۔ بھارت کی توسیع پسندانہ پالیسیوں کے پیش نظر یہ اقدام ضروری تھا۔ لیکن یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ فتح و شکست کا فیصلہ لوہے کے علاوہ مفلسی، بے روزگاری، جہالت، طبقاتی منافرت اور معاشی لوٹ کھسوٹ کے ناکارہ ہتھیاروں سے ہرگز نہیں ہوا کرتا۔ یہ ضروری ہے کہ وہ حالات پیدا کئے جائیں جن سے پوری قوم دل و جان سے وطن پر نثار ہوتے اور ہر صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہے۔ اس کے لئے یہ لازمی ہے کہ نفع خوری کرنے والے طبقے پر کڑی نظر رکھی جائے۔ جنگی اور ہنگامی حالات منافع کمانے کے لئے بہترین مواقع فراہم کرتے ہیں منافع خور طبقہ امن اور جنگ ہر زمانے میں انسانی خون سے اشرفیاں ڈھالنے میں کبھی نہیں چوکتا۔

عوام کو یہ امید تھی کہ نئی حکومت کا پہلا بجٹ بھی نئے اصولوں کا آئینہ دار ہوگا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ یہ تو اس حقیقت کا مظہر ہے ــــ پرانی اور نئی ساری حکومتوں کی بجٹ پالیسی ایک سی رہی ہے ــــ موجودہ اور سابقہ حکومتوں کے بنیادی خدوخال میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔

اس پر تو دکھ ہوتا ہی ہے کہ حکومت اپنی مالی ضروریات پوری کرنے کے لئے پیداوار اور ذرائع پیداوار کو قومی ملکیت میں لینے کے بجائے ــــ عوام الناس کی طرف ملتفت ہو رہی ہے لیکن اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ بات تو یہ ہے کہ، مستحکم تو سرمایہ ــــ سرمایہ دار ــــ اور سرمایہ داری کو کیا جا رہا ہے لیکن باتیں نہ جانے کیوں یہ کی جاتی ہیں کہ "دولت کو چند ہاتھوں میں مرکوز نہیں ہونے دیا جائے گا" "فلاحی مملکت کا قیام عمل میں لایا جائے گا" اور "قیمتوں میں استحکام پیدا کیا جائے گا" جن کو سن کر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اب تو بس یہ ہی میٹھی میٹھی اور پیاری پیاری باتیں عوام کا مقدر بن کر رہ گئی ہیں۔ بہتر ہوتا کہ یہ سب کچھ کرنے کی بجائے جرات اور ایمانداری سے کام لے کر واضح انداز میں یہ اقرار کیا جاتا کہ یہ بجٹ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا بجٹ ہے اور حکومت کو انہیں کے مفادات کی نگرانی و حفاظت مطلوب ہے تاکہ سادہ لوح عوام یا تو اپنے "مقدر" پر شاکر ہو کر بیٹھ جائیں یا پھر ان حالات و کوائف کو بدل ڈالیں۔

مگر ایسا نہیں کیا جاتا۔ بلکہ چھپانے والے۔ خود کو طرح طرح کے "لبادوں" میں چھپانا چاہتے ہیں لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ آج تک کوئی کسی لبادہ میں چھپ سکا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ہر کہ وہ اپنے حقیقی رنگ میں عیاں ہو کر رہے گا! یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ شتر مرغ کی طرح سے بجٹ کی ریت میں اپنا سر چھپا کر یہ سمجھ بیٹھنا کہ ہم چھپ گئے صریحاً خود فریبی اور حماقت کی دلیل ہے۔ ٭

اوصاف احمد

شکست کی آواز

رات کالی اور اندھیری تھی۔

اور بوسیدہ سی کوٹھری میں میلا اور مدھم سا لیمپ جل رہا تھا۔ ماحول پر افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ فرش پر ایک میلی سی دری بچھی ہوئی تھی اور اس کے اوپر اختر لیٹا ہوا تھا اور قریب ہی جگن، شنکر اور قاسم بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ چاروں ہی رکشے والے تھے سماج کے نچلے طبقے کے افراد، محنت کش اور مزدور۔ آج چار دن سے اختر کو بخار آ رہا تھا۔ وہ ان تینوں کو بہت عزیز تھا۔ اور اس کو بخار آنے کے ساتھ ہی ان تینوں کے حواس گم ہو گئے تھے۔ جگن، اور شنکر نے پہلے ہی اسے خیراتی ہسپتال میں لے جا کر دکھایا اور جب اسکی دوا سے فائدہ نہ ہوا تو ڈاکٹر بوس کو لے جا کر دکھایا جو دو روپے روز کی دوا دیتا تھا۔ حالانکہ دوا لانے کے لئے ان تینوں کو اپنی خوراکی میں کمی کرنی پڑی تھی۔ لیکن اسکی دوا سے بھی کوئی فائدہ نہ تھا۔ اور اس کا بخار جوں کا توں تھا۔

"جگن بھیا" شنکر نے کہا "اختر بابو کا بخار ابھی تک نہیں اترا آخر کیا ہوگا۔"

"بھگوان جانے" جگن نے آہستہ سے جواب دیا اور اختر کے ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"آج تم رکشہ چلانے بھی نہیں گئے۔ میری اور قاسم کی مزدوری بھی نہیں ملے گی۔ آجکل سالے بابو لوگ بھی پیدل چلتے ہیں" اس نے لوگوں کو رکشہ پر نہ چلنے کے لئے چار پانچ فحش گالیاں دے ڈالیں "میرا بھی کرایہ نہیں نکل سکا۔ تمہارا کرایہ الگ چڑھ گیا اختر بابو الگ اتنا بیمار ہیں۔ آخر کیا ہوگا؟" شنکر اپنی مشکلات کے بارے میں رونا رو رہا تھا۔ اور جگن خاموش بیٹھا سنتا رہا۔ پھر عمر رسیدہ قاسم جوان میں سب سے بڑا تھا اپنی پختہ سی آواز اور اکھڑ لہجے میں بولا "اور اس سالے الو کے پٹھے گلیٹی مل نے رکشے کا کرایہ بھی بڑھا دیا ہے۔ اب تین روپے لے گا سور کی اولاد" اس نے گلیٹی مل کو ماں بہن کی مغلظات سنا ڈالیں۔

"کیا" جگن اور شنکر نے ایک ساتھ کہا "رکشے کا کرایہ بڑھ گیا۔؟"

"ہاں"

اور دوسری طرف اختر کراہتے ہوئے کسمسایا۔ اس کا جسم بخار سے تپ رہا تھا اور سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ اس نے جگن کو پکارا اور تینوں [illegible] اس کے اوپر جھک گئے۔

"بھیا۔۔۔۔ جگ۔۔۔۔ گن"

"بابو"! جگن کے لہجے سے پیار چھلکا پڑ رہا تھا۔

"شن۔۔۔ کر۔ ! قاسم۔ کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں بابو کچھ نہیں"

"کچھ مت چھپاؤ۔۔۔۔ جگن۔۔۔۔ کچھ مت چھپاؤ۔۔۔۔ کیا رکشے کا کرایہ بڑھ گیا ہے۔؟"

شنکر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اختر اپنے نقاہت بھرے انداز میں اٹھ کر بیٹھ گیا "خدا کی قسم ایسا نہیں ہونے دیا جائے گا۔ جگن۔ لالہ گلیٹی مل اپنے دولت کے بل پر ہمارا خون چوسنا چاہتا ہے مگر ایسا نہیں ہونے دیا جائے گا۔ میں لالہ کو قتل کر دونگا۔ ایسا نہیں ہوگا" اس نے مٹھیاں بھینچ لیں اور اس پر ہذیانی انداز طاری ہو گیا۔

"ہاں بھیا۔ ایسا نہیں ہوگا" جگن بولا۔ "تم لیٹ جاؤ"

"نہیں جگن ایسا ہوگا۔ تم نہیں جانتے۔ دولت میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ کروا لیتی ہے۔ اقتدار بہت بڑی چیز ہوتا ہے۔ اور انسان ان دونوں کو پا کر۔ خدا بن جاتا ہے۔ جگن ایسا ضرور ہوگا۔ مگر ہم ان خداؤں کو ٹھکرا دیں گے۔ میں دکھا دونگا کہ محنت میں کتنی قوت ہوتی ہے۔ اور سرمایہ کتنا طاقتور ہوتا ہے۔ جگن کرایہ ضرور بڑھے گا۔ مگر ہم نہیں دیں گے۔ خدا کی قسم نہیں دیں گے۔ خدا کی قسم نہیں دیں گے" وہ بیٹھے بیٹھے ہاتھ ہلانے لگا اور پھر بے دم ہو کر رہ گیا۔

جگن نے جلدی سے پنکھا ہلکنا شروع کر دیا اور قاسم کے ہاتھ انگوچھا لئے ہوئے اختر کے تلووں پر زور زور سے چلنے لگے۔ شنکر لیمپ کے پاس کوئی کتاب لئے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر گہرے نشان تفکر کے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولا۔

"جگن۔ تم اور قاسم بھیا اب سو جاؤ میں جاگ رہا ہوں"

"نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔؟"

"دیکھو تم کئی دن سے جگے ہو۔ آج دن بھر تم بابو کے پاس رہے ہو اگر اسی طرح محنت کرتے رہے تو خود بیمار ہو جاؤ گے۔ میں ابھی کتاب پڑھ رہا ہوں۔ بابو کی دیکھ بھال بھی کرتا رہوں گا۔ دوا وغیرہ پلا دوں گا۔ اور جب سونے لگوں گا تو تم لوگوں کو اٹھا دوں گا"

بات کی معقولیت پر وہ لوگ چپ ہو گئے اور سونے کی تیاری کرنے لگے شنکر اٹھ کر اختر کے پاس آ بیٹھا اور جیسا کہ عموماً ہوتا ہے وہ خیالات کے تانے بانے میں الجھ گیا اور خیالات کی رو جانے کہاں کہاں سے ہوتی ہوئی اختر کی طرف بھٹک گئی۔ اختر کا خیال آتے ہی اسکی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے بے اختیار اختر کی پیشانی چوم لی۔ یہ حسین سا نوجوان جو لیمپ کی زرد روشنی کے سائے میں لیٹا ہوا تھا۔ اسکی زندگی میں ایک انقلاب کا محرک بنا تھا۔ اور ایک اسی کی کیا۔ جانے کتنوں کی زندگی اس نے پلٹ کر رکھ دی تھی۔ اس خوبصورت نوجوان نے اسکی زندگی کو حسین بنا دیا تھا۔ بالکل اپنی طرح حسین، معصوم اور بھولی بھالی اور ایک اسی پر کیا منحصر اس کے ایسے جانے کتنے تھے یہ رکشے والا زندگی کو خوبصورت بنانے کے لئے لڑ رہا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی وہ بے قرار ہوا تھا اور اس نے اٹھ کر اختر کے گالوں کو بے تحاشا چومنا شروع کر دیا۔ اور پھر تو وہ باقاعدہ رو پڑا۔ بڑی دیر تک اس کے سینے سے سر لگا کے روتا رہا۔

اختر کی سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں اور باہر رات کی سیاہی لرز رہی تھی۔ شنکر آنسو بہا رہا تھا اور رات افسردہ تھی۔

جگن اور قاسم سو رہے تھے اور لالہ گلیٹی مل اپنی حسین داشتہ کے ساتھ وہسکی کے جام چڑھا رہا تھا۔ محنت آرام کر رہی تھی اور سرمایہ جاگ رہا تھا۔

تاریک رات بھیگتی رہی اور شنکر اسی طرح آنسو بہا رہا تھا۔ کون شنکر؟ وہی شنکر جو کبھی قاتل تھا۔ لٹیرا تھا۔ جیب کترا تھا۔ شرابی تھا۔ ہاں وہی شنکر؟ جس کے نام سے پولس والے کانپ جاتے تھے۔ اور حسین لڑکیاں جس کے نام سے تھراتی تھیں۔ وہ شنکر جو کبھی جرائم کا بادشاہ تھا۔ لیکن اب وہ ایک معمولی رکشے والا تھا۔ رکشے والا تو وہ پہلے بھی تھا۔ ہمیشہ سے ہے لیکن یہ خفیہ پولس کے بڑے بڑے افسر بھی نہ جانتے تھے کہ جس شنکر کو وہ تلاش کرتے پھرتے ہیں وہ اکثر ان کو ادھر سے ادھر رکشے پر بٹھا کر لے جایا کرتا تھا اور پھر ایک روز ـــــ چپکے سے نامی گرامی شنکر گمنام شنکر میں بدل گیا۔ کسی کو معلوم بھی نہ ہو سکا کہ جرائم کے بادشاہ کو زمین نگل گئی یا آسمان نگل گیا ایسی ہی ایک سیاہ سی رات نے اسکی قسمت بدل دی۔ ایک شام اس نے ایک سیٹھ صاحب کے پرس سے سات سو روپے اڑائے۔ کالج میں پڑھنے والی دو لڑکیوں کی آبرو ٹھکانے لگائی۔ پھر ٹھرا کی ڈیڑھ دو بوتلیں چڑھانے کے بعد ترنگ میں گاتا پھر رہا تھا۔

"مجھ کو یارو معاف کرنا۔ ۔ ۔ ۔ میں نشے میں ہوں۔ ۔ ۔ ۔ نائیں۔ ۔ ۔ نایں۔ ۔ ۔ ۔ نشہ۔ ۔ ۔ ۔ مجھ۔ ۔ ۔ ۔ میں۔ ۔ ۔ ۔ میں۔ ۔ ۔ ۔ ن۔ ۔ ۔ ۔ شے۔ ۔ ۔ ۔ نشہ۔ ۔ ۔ ۔ نشہ۔ ۔ ۔ ۔ کون ہے بے سالے۔ ۔ ۔ ۔" تاریکی میں اس کا پیر کسی چیز سے ٹکرا گیا تھا۔ ان دنوں اسکی زبان سے بات بات پر گالی نکل رہی تھی " اے لو۔ ۔ ۔ سالے کو مرنا بھی یہیں تھا۔ ۔ ۔ ۔" وہ جھک گیا۔ اسے ٹٹولنے لگا۔ کوئی آدمی تھا۔

"آئے آئے۔ ۔ ۔ ۔ لیلیٰ۔ ۔ ۔ لیلیٰ۔ ۔ ۔ نائیں۔ ۔ ۔ نائیں۔ ۔ ۔ مجنوں ہے" اس نے کچھ ٹٹولا۔ لیلیٰ۔ ۔ ۔ ۔ لیلیٰ۔ ۔ ۔ مجنوں۔ ۔ ۔ لیلیٰ۔ مجنوں۔ ۔ ۔ ۔ ترنگ میں بڑبڑاتا ہوا وہ اسی پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر جانے کیا سوچ کر اس نے اسے اٹھایا "چلو چلو! میری جان۔ ۔ ۔ ۔ لیلیٰ۔ ۔ ۔ ۔ اور پھر لیلیٰ لیلیٰ اگر رہے گا۔ ۔ ۔" کی گردان کرتا ہوا وہ اسے بجلی کے ایک کھمبے کے نیچے اٹھا لایا۔

"یار لونڈا تو زندہ رہا ہے۔ ۔ ۔ ۔" شنکر نے اسے زمین پر ڈال کر کہا اور پھر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"میں شنکر بھگوان ہوں۔ نہیں نہیں تم برہما ہو۔ تمہارا منہ برہما کی طرح ہے میں تمہاری پوجا کرتا ہوں گا۔ چاہے جو کچھ ہو جائے" اور اسی طرح کا اول فول جانے کب تک بکتا رہا۔ یکایک پانی سے بھرے ہوئے بادلوں نے برسنا شروع کر دیا۔ پانی برستا رہا۔ اور وہ ترنگ لہرا لہرا کر دیہاتی گانے گاتا رہا۔ جب وہ پانی میں اچھی طرح بھیگ چکا تو اس کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔ حواس ٹھکانے ہوئے تو اس نے دیکھا کہ وہ لڑکا بیٹھا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ظاہر ہے اس میں چلنے کی طاقت نہ تھی ورنہ بارش سے بچنے کے لئے اب تک جا چکا ہوتا۔ نشہ اترنے کے بعد عموماً لوگ جھلاہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس نے نشہ اترنے کے بعد نرمی سے پوچھا۔

"تمہیں کیا ہو گیا تھا۔ ؟"

نوجوان خاموش رہا اور بے تعلقی سے خلاء کو گھورتا رہا۔ جب شنکر نے کئی بار اصرار کر کے پوچھا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے بتلایا کہ بھوک لگی ہے۔ شنکر اس نوجوان کو اپنی کوٹھری میں لے آیا۔ کھانا کھلایا اور جب کچھ دن بعد وہ بالکل ٹھیک ہو گیا تو لالہ گلیٹی مل کے یہاں سے ایک رکشہ دلا دیا اور وہ رکشہ چلانے لگا یہ نوجوان اختر تھا جو بی۔ اے پاس تھا۔ یہ ہندوستانی سماج کا کرشمہ تھا۔ تعلیم کے منصوبے بنانے والو! آؤ تم کہاں ہو؟ یہاں دیکھو کہ بی اے پاس کرنے کے بعد ایک ہونہار نوجوان رکشہ چلا رہا ہے۔ اسے روزگار اس لئے نہیں ملا کہ اس کے پاس سفارشیں نہیں تھیں وہ کسی منسٹر کا رشتہ دار نہیں تھا۔ اس کا کوئی بہنوئی کسی آفس میں سپرینٹنڈنٹ نہیں تھا۔ اس کا کسی پر کوئی اثر نہیں تھا۔ اس لئے وہ نہیں ہو سکا۔ ہمارے لیڈر کہتے ہیں کہ ہمارے ذہن غلام ہیں ہم صرف نوکری تلاش کرتے ہیں۔ تجارت نہیں کرتے۔ تجارت کی بات کرنے والو! کہاں سے وہ یہ سرمایہ لائے تجارت کرنے کے لئے۔ جس کے پاس دو وقت کی روٹی کا بھی سہارا نہ ہو۔ لیکن اختر وہ افسانوں اور ناولوں کے کردار کی طرح دریا میں ڈوبنے نہیں گیا۔ جہاں سے کوئی سیٹھ اسے نکال لیتا اور اسکی جوان لڑکی سے اسکی محبت ہو جاتی۔ وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔ زندگی اتنی سستی نہیں ہوتی۔ اسے زندگی سے پیار تھا ـــ وہ زندہ رہنا چاہتا تھا ـــ وہ چاہتا تھا کہ اس کا اپنا ایک چھوٹا سا گھر ہو۔ جس میں اس کی بیوی ہو بچے ہوں معصوم خوشیاں ہوں۔ اور اس کا دامن امن و مسرت سے بھر جائے۔

اسی لئے نہیں مرا۔ اور اسی لئے وہ زندہ رہا۔ اور زندہ رہنے کے لئے جدوجہد کرتا رہا۔ شنکر جانتا تھا کہ وہ اختر کو بھی اپنے رنگ میں لے آئے گا۔ لیکن اختر کو نہ جانے کون سا جادو آتا تھا۔ وہ اختر کو تو نہ بدل سکا۔ لیکن غیر محسوس طور پر اختر اسے بدلتا چلا گیا۔ ساری برائیاں ایک ایک کر کے چھوٹتی رہیں۔ شراب، جوا۔ ۔ ۔ عورت۔ ۔ ۔ جیب کتری سب کچھ۔ ۔ ۔ ۔ وہ اختر کے پاس بیٹھتا اور اختر ٹھہر ٹھہر کر بولتا رہتا۔ اور سیکڑوں برائیاں گنتا رہتا۔ اور پھر جب شنکر اختر کے پاس سے اٹھتا تو اس برائی کو پوری طرح چھوڑ دینے کا عہد کر کے۔ جرائم پیشہ لوگ اپنے عہد کے بڑے پکے ہوتے ہیں۔

شنکر کچھ تو پڑھا لکھا پہلے ہی سے تھا۔ شُد بُد تھی ہی۔ اختر نے اسے پڑھانا شروع کر دیا اور صرف شنکر ہی نہیں جگن اور قاسم کو بھی اس نے پڑھایا۔ زندگی کے بارے میں احساس دلایا کہ صرف شراب عورت اور روپیہ ـــ ہی زندگی نہیں ہے۔ بلکہ زندگی عمل ہے۔ زندگی نیکی اور بھلائی کے ساتھ زمانے سے لڑتے جانے کا نام ہے۔ زندگی مسلسل جدوجہد ہے۔ اور پھر ان تینوں کی زندگیاں بدل گئیں یہ سلسلہ ان تینوں پر ہی ختم نہیں ہو گیا۔ رام آسکر۔ شریفے۔ نصرت۔ رام سہائے۔ جے کشن۔ عبدل۔ عاشق۔ متا اور جانے کتنے تھے کہ انکی زندگیاں بدل گئیں۔ وہ انھیں کتابیں پڑھنے کے لئے دیتا تھا۔ یہاں اس کوٹھری میں نئے سماج کی تعمیر ہو رہی ہے ایک ایسے سماج کی تعمیر جسکی بنیاد سرمائے کی بجائے محنت پر ہوگی۔ یہاں نیا ہندوستان جنم لے رہا تھا۔ جسے جنم دینے والے اونچے طبقے کے افراد نہیں تھے۔ محنت کش تھے۔ مزدور تھے۔ یقین کامل تھا کہ اب جو ہندوستان جنم لے گا اس کا نظام زیادہ مضبوط زیادہ صحیح۔ زیادہ مستحکم اور زیادہ پائیدار ہوگا۔

شنکر اختر کے سینے سے لپٹ کر سو گیا۔ رات ڈھلتی جا رہی تھی۔ سیاہیاں گہری ہوتی جا رہی تھیں۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ اور پھر صبح کاذب کے نشانات، سپیدۂ سحر۔ لیکن پھر اندھیرے نے اجالے کو پیچھے دھکیل دیا۔ صبح ہو رہی تھی لیکن رات اس پر غالب آ گئی۔ حالانکہ غلبہ محض عارضی اور ناپائیدار ہے ـــ اندھیرے اور اجالے کی جنگ میں ہمیشہ اجالے کی فتح ہوئی ہے۔ صبح ہوگی اور ہو کر رہے گی۔ اسے کوئی نہیں روک سکتا۔

صبح ہونے پر اختر نے قاسم اور شنکر سے کہا۔ کہ شہر کے رکشہ والوں کی ایک میٹنگ بلائی جائے۔ ہر چند کہ ان لوگوں نے سمجھایا۔ لیکن اس نے کہا۔

"بھیا تم فکر نہ کرو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ دیکھ لو بالکل اتر گیا بخار۔ اور پھر یہ تو میرا فرض ہے اور فرض سے کسی حالت میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ میں لالہ گلیٹی مل کو ایک اچھا سبق پڑھاؤں گا۔

شام کے وقت ایک بڑے میدان میں سب رکشہ والے جمع تھے۔ تقریباً ۶۰ تو لالہ گلیٹی مل کے ہی رکشہ ڈرائیور تھے۔

"ساتھیو۔!" اختر نے اونچی آواز میں کہنا شروع کیا "لالہ گلیٹی مل ہمارا خون چوسنا چاہتا ہے۔ لیکن ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے"

"ہرگز نہیں" "ہرگز نہیں" مجمع سے آوازیں آئیں۔ رکشہ کا کرایہ دو روپے روز یوں ہی کم نہیں۔ گھیٹی مل اپنی دولت کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ ڈرائیور یہ دو روپے نہ جانے کتنی مشکلوں سے ادا کرتے ہیں۔ چاہے مزدوری لگے یا نہ لگے۔ ان کے گھر میں چاہے آگ جلے یا نہ جلے۔ انھیں ہر حال میں گھیٹی مل کو دو روپے دینے ہیں۔ اور دوستو! گھیٹی مل ہر طرح مار پیٹ کر یہ روپیہ وصول کر لیتا ہے۔ اور اب اس نے دو روپے روزانہ سے بڑھا کر تین روپے روزانہ کر دیئے ہیں۔ کیا یہ بے انصافی نہیں ہے؟ "یہ ظلم ہے" لوگ چلائے۔

"ہم اس کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ اور گھیٹی مل کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہم کوئی مٹی کی مورت نہیں ہیں کہ جو کچھ وہ چاہے کرے۔ ہم گھیٹی مل کو یہ بڑھا ہوا کرایہ ہرگز نہیں دیں گے۔"

"ہاں۔ ہرگز نہیں دیں گے۔" نعرے بلند ہوئے۔

"ہم گھیٹی مل کو یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ صرف دولت میں طاقت نہیں ہوتی — ایکتا اور اتحاد سب سے بڑی دولت ہے۔ سب سے بڑی طاقت ہے۔ آج ہندوستان کا مزدور جاگ چکا ہے اور وہ دولت کی بے جا اجارہ داری برداشت نہیں کر سکتا گھیٹی مل کو پیچھے ہٹنا ہوگا اور وہ بڑھا ہوا کرایہ واپس لیں گے —

اختر کی ابھرتی ہوئی آواز تالیوں کے شور میں دب کر رہ گئی —

"لیکن ہمارے تمام مظاہرے پرامن رہیں گے اور اس مقصد کے لئے ایک وفد ابھی گھیٹی مل سے ملنے جائے گا۔"

اور اس کے بعد اختر کی قیادت میں رکشہ والوں کا ایک وفد گھیٹی مل سے ملنے کے لئے گیا۔ وہ اس شہر کا سب سے بڑا سرمایہ دار تھا۔ شہر میں اس کے تقریباً ۵۰ درجن رکشے چلتے تھے۔ سوتی کپڑے کی دو ملیں تھیں۔ ہزاروں روپے روز کی آمدنی تھی اور لاکھوں آدمی اس کے ملازم تھے۔ جب وفد پہنچا تو لالہ سرور میں تھا۔ جھومتا جھامتا باہر نکل آیا۔

"آئیں" اس نے ہوا میں ہاتھ ہلائے "کرایہ نہیں دیں گے؟" پوری بات سننے کے بعد اس نے کہا۔

"بائی ہمارا چیز۔ ہمارا رکشہ۔ ہم چاہیں تین روپیہ لیں اور چاہے دس روپیہ تمہارا مرضی چلاؤ چاہے نہ چلاؤ۔"

"جی نہیں رکشہ تو ہم چلائیں گے۔ لیکن کرایہ آپ کو دو روپے ہی ملے گا۔" جواب ملا

کیسے دو روپے ملے گا؟ ہچ... تین... تین..." اس نے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارے کئے "تین روپے ملے گا، اور اگر تم کرایہ نہیں دے گا تو ہم... ہمارا بیٹا کا بیاہ کیسے ہوگا؟ تو م.... جانتا کہ... ہمارا.... بیٹا... جوان ہوگیا.... ہم اس کا نسبت طے کیا.... لونڈا... سالا... دو لاکھ... مانگتا..... ہچ... حرامی.... سالا... پورا... دو لاکھ مانگتا۔"

— لالہ گھیٹی مل نشے کی ترنگ میں کہتا رہا —

"تو.... جانتا..... وہ سالا... امریکہ سے بڑھ آیا.... ہچ... امریکہ ستا... تم... ام... ایک روپیہ بڑھایا... چھ سو روپے ملے گا۔ ایک مہینہ میں... اٹھارہ ہجار... پورا.... ہچ..... سال بھر میں دو لاکھ... — اب تم بتاؤ.... ام ایک روپیہ... نہ بڑھائے..... تو ہمارا بیٹا... ہچ.... کا بیاہ.... کیسے ہوگا؟... جوان بیٹا... بٹھال لے.... ہچ .... اپنے پاس سالے... ہچ... کیا مطلب...؟"

"مگر سیٹھ جی، اختر نے سلجھے ہوئے لہجے میں کہا "آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ آپ اپنی بٹیا کا بیاہ کرنے کے لئے ہم غریبوں کے گلے پر چھری پھیر دیں۔ آپ کروڑ پتی ہیں۔ اپنے بینک بیلنس میں کے دو لاکھ اپنے داماد کو دے دیں تو کوئی فرق نہ پڑے گا۔"

"ارے... تم بولا... ہچ... کوئی فرق نہیں پڑے گا.... ہچ..... دو لاکھ نقد... ایک دم... نکالے..... ہچ" سیٹھ اپنا سینہ کوٹتا ہوا بولا... ارے اپنا تو بزنس فیل ہو جائے گا... ہم تو... ہچ... قلاش ہو جائے گا... بالکل فقیر..." پھر ایکدم اسکی ذہنی رو مڑ گئی —

"تم سالا لوگ.... ہچ... حرامی.... ہمارا آدمی کو بھڑکاتا.... ہچ ہم تو تین روپے لے گا.... جو نہیں دے گا.... ہچ... کھال کھینچ دے گا... اب تم سالا لوگ بھاگ جاؤ..... ہچ ہم کچھ نہیں سنے گا.... ہچ.... بھاگو.... گیٹ آؤٹ..... ایکدم۔!

سیٹھ گھیٹی مل نے ہوا میں ہاتھ ہلایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی وفد بھی ناکام واپس آیا۔

دوسرے روز شہر میں اکا دکا رکشوں کے علاوہ رکشے نظر نہیں آ رہے تھے پھر معلوم ہوا کہ شام کو دس رکشے والوں کو کم روپے دینے پر لالہ گھیٹی مل کے آدمیوں نے چمڑے کی بیلٹیوں سے بری طرح پیٹا۔ جن میں سے کئی کی حالت نازک ہے۔

اختر نے سنتے ہی مٹھیاں بھینچ لیں۔ اسکی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ جبڑے پر جبڑے بٹھال کر وہ ٹہلنے لگا۔

شام کو لالہ گھیٹی مل کی دونوں ملوں کے مزدوروں، رکشہ ڈرائیوروں اور شہر کے دوسرے محنت کشوں کا ایک مخصوص جلسہ ہوا۔ اور طے ہوا کہ اب کل سے کوئی کام کرنے نہیں آئے گا۔ جب تک سیٹھ بڑھا ہوا کرایہ واپس نہیں لے گا ہر چیز کا مکمل بائیکاٹ —

دوسرے دن سیٹھ کی کیا کسی مل میں کوئی مزدور کام کرنے نہ آیا۔ سب بہت حیران ہوئے۔ لالہ گھیٹی مل نے احتیاط کے لئے اپنے بنگلے کے سامنے پولس تعینات کروا لی تھی..... اور سٹی مجسٹریٹ کو کافی تعداد میں رشوت دے کر دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کروا دیا تھا۔ اور شام کو جلوس نکالنے کے لئے طے ہوا کہ پچاس آدمی لالہ گھیٹی مل کی کوٹھی کے سامنے دھرنا دیں گے۔ اور جب تک وہ بڑھا ہوا کرایہ واپس نہیں لیتے۔ بھوک ہڑتال کریں گے۔

سہ پہر کے وقت مزدوروں اور محنت کشوں کا ایک جلوس شہر کی خاص سڑکوں پر سے ہوتا ہوا گزرا اور ان کے نعروں کی گونج سے زمین دہل اٹھی۔ آسمان تھرّا اٹھا۔ سرمایہ داروں کے کلیجے کانپ اٹھے۔ "کیا مزدور جاگ اٹھے ہیں؟"

جلوس گرین اسکوائر میں داخل ہوا تھا کہ خبر ملی کہ ان کے رکشے والوں میں سے پانچ مر گئے جنھیں کل پیٹا گیا تھا۔ اتنا سنتے ہی محنت کشوں کا اشتعال بڑھتا گیا جلوس جدھر سے گزرتا تھا۔ مائیں اپنے کلیجوں سے بیٹوں کو لگا لیتی تھیں گھروں کے دروازے بند ہو جاتے تھے۔ دکانیں تو بند تھیں ہی۔

"پونجی پتیوں کا ناش ہو"

"خون کا بدلہ خون ہے"

"مزدور ایکتا۔ زندہ باد"

گرین اسکوائر کی سنسان فضا نعروں سے گونج گئی۔ اور سرمایہ داری کی بنیاد ہلنے لگی۔ قصر زر میں متزلزل ہو گیا تھا۔

"خاموش رہیئے! براہ کرم یہ ضروری اعلان سن لیجئے۔ سٹی مجسٹریٹ کے حکم سے گرین اسکوائر کے علاقے میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے۔ اس علاقے میں داخل ہونے والوں کو مجرم سمجھا جائے گا۔" وائرلیس سیٹ سے لیس جیپ سے کوئی صاحب اعلان کر رہے تھے۔ لیکن جلوس بدستور آگے بڑھتا گیا۔ اور پھر سامنے ہی سے مسلح پولس کے دستے دکھائی دینے لگے۔ "آگے راستہ بند ہے۔" مونچھوں والا انسپکٹر غرّایا۔

جلوس آگے بڑھتا چلا گیا۔

"لالہ گلیٹی مل مردہ باد ۔"

"پونجی پتیوں کا ۔ ناش ہو ۔"

"مزدور ایکتا ۔ زندہ باد ۔"

"چارج ۔" انچارج نے گرج کر کہا اور مسلح نوجوانوں کی اٹھی ہوئی لاٹھیاں جلوس پر برس پڑیں ۔ ایک . . . . دو . . . . تین . . . . اور مسلسل پڑتی رہیں ۔ ادھر سے کسی نے ایک بڑا سا پتھر پھینکا جو انچارج کی ناک پر لگا ۔ اس کا منہ بھرتا ہو گیا ۔ اور پھر تو مقابلہ شروع ہو گیا ساتھ ہی جلوس بھی آگے بڑھتا رہا ۔

تھوڑی دیر کے بعد انچارج کے سارجنٹ نے ہلپ کال کی ۔ اور پولس کے بندوق سے مسلح نوجوان آ گئے ۔ کچھ لوگ جلوس کے پیچھے سے بھاگ نکلے ۔ جس کو جدھر راستہ ملا

"ابھی وقت ہے ۔ رک جاؤ ۔ !" پولس کا کوئی افسر چلایا ۔

"مزدور ایکتا ۔" اختر نے چلا کر کہا ۔

"زندہ باد ۔" جگن ۔ شنکر ۔ قاسم . . . . اور محنت کشوں نے جواب دیا ۔

"فائر" آفیسر نے چلا کر کہا ۔ اور بے شمار چیخیں بلند ہو گئیں ۔

تھوڑی ہی دیر بعد لالہ گلیٹی مل کے بنگلے کے سامنے پچاس ساٹھ لاشیں پڑی ہوئی تھیں ۔ پولس والے جا چکے تھے دور مغرب میں سورج ڈوب رہا تھا ۔ اور اسکی کرنیں کالے پڑتے ہوئے خون پر پڑ رہی تھیں ۔ ادھر ادھر ایک آدھ پرندہ پھڑپھڑاتا ہوا اڑ جاتا ۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خون کی لکیریں پکار پکار کر کہہ رہی ہوں ۔ ڈی آئی جی صاحب تم اپنی مہم ختم کر کے واپس جا رہے ہو ۔ شاباشی تو لیتے جاؤ ۔ تم بڑے بہادر ہو ۔ تم ایسے ہی بہادر سپوت ۔ ہندوستان کا فخر ہیں ۔ خدا تمہارا اقبال بلند کرے ۔ تم آئی جی بنو ۔ ترقی دے کر فوج میں بھیج دیئے جاؤ ۔ فوجوں کو کمانڈ کرو آج تم نے چند پیسوں کی خاطر بڑی بھاری مہم فتح کی ۔ تم نے عقل کو قتل کر دیا ۔ شعور کو پھانسی دیدی ۔ ان پاگلوں سرکشوں کا سر کچل دیا ۔ تم جدید ہندوستان کی بنیادیں مضبوط کر رہے ہو ۔

ارے لالہ گلیٹی مل تم کہاں ہو ۔ آؤ مبارک باد تو لے لو ۔ مبارک ہو تمہاری بٹیا کے جہیز کا سامان ہو گیا ۔ خدا تمہاری دولت کو دن دونی رات چوگنی ترقی دے ۔ اب تم کرایہ تین کے بجائے چھ روپے کر دو ۔ اپنے داماد کو دو لاکھ نہیں چار لاکھ دو کوئی نہیں روکے گا ۔ روکنے والے تمہارے سامنے خون میں نہائے پڑے ہیں یقین نہیں آتا ۔ آؤ میں تمہیں ان سے پہچنواؤں ۔ یہ دیکھو اختر ہے ۔ پاگل نوجوان تم نے بڑا اچھا کیا جو اسے قتل کر دیا ۔ یہ شرابی شنکر ہے جس نے شراب چھوڑ دی تھی، یہ جگن ہے جس کے لہجے میں پیار کے دریا امڈتے تھے ۔ یہ قاسم ہے جو بات بات پر تمہاری ماں بہن تولتا تھا ۔ اور کسے دیکھو گے . . . . سب تمہارے دشمن ہیں اور لالہ گلیٹی مل جی چاہتا ہے تمہیں گلے لگا لوں ۔ تم نے اسوقت جو کام کیا وہ دارا و سکندر بھی نہ کر سکتے تھے ۔ تمہاری دولت نے وہ اثر دکھایا جسکے آگے قارون کے خزانے ہیچ ہیں ۔ اور راک فیلر تو مدتوں تمہارے آگے زانوئے شاگردی طے کرے گا ۔ تم نے عقل و شعور کا جنازہ نکال دیا ۔ تم نے فہم و فراست کو دفن کر دیا ۔ تمہاری بٹیا کہاں ہے گلیٹی مل ؟ اسے لے آؤ ۔ ان مزدوروں کے خون سے اسکی مانگ بھرو ۔ اس خون سے اسکے ماتھے پر ٹکلی لگاؤ ۔ اس خون سے اسکی گوری ہتھیلیوں پر مہندی رچاؤ ۔ سہاگ کی رسمیں پوری کرو اور خوشیاں مناؤ ۔ لیکن لالہ گلیٹی مل کہاں جا رہے ہو ۔ ؟ سنو تو یہ شکست کی آواز ابھی کچھ اور کہہ رہی ہے ۔ یہ کہتی ہے کہ تمہاری فتح میں ہزیمت پنہاں ہے ۔ اب تمہاری عمر پوری ہو چکی ہے ۔ تمہارا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے ۔ ہنس رہے ہو گلیٹی مل ؟ ہنس لو ۔ لیکن اسے بھی یاد رکھو ۔ ایک دن تمہیں رونا بھی پڑے گا ۔ تم سر پہ ہاتھ رکھ کر روؤ گے لالہ ۔

تمہارے علاوہ کسی اور سے یہ شکست کی آواز کچھ نہیں کہہ رہی ہے ۔ لیکن اپنی طرف ادیبوں ۔ شاعروں کو بلاتی ہے ۔ آؤ ۔ دیکھو ۔ کہ یہ شام یار کے رنگ عارض سے نہیں ۔ خون شہیداں سے رنگین ہے ۔ سیاہ کاکلوں کی بات کرنے والو اس کالے پڑتے ہوئے خون کی لکیروں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ۔ زندگی کی حسین قدروں کے علمبردارو ! تمہیں یہ موت کیسی لگتی ہے ۔

دانشورو ! ۔ مدبرو ! ۔ مفکرو ۔ ذرا دیر کے لئے ادھر بھی آؤ ۔ زندگی کے ہر مسئلے پر فتح پانے والو اس ہزیمت کے بارے میں سوچو ۔ لوزش اور بے روزگاری بحثوں میں پھنسنے والو ان رکشے والوں کا کوئی حل نکالو ۔ فکر کرو ! تمہاری فکر ان کے بارے میں کیوں نہیں ہے ؟ مدبرو ! تمہارا تدبر اسوقت کہاں چلا گیا ۔ دانشورو ۔ ! تمہاری دانشمندی ان کے معاملے میں کیوں ہتھیار ڈال دیتی ہے ؟

کوئی نہیں آیا ؟ کوئی نہیں آئے گا ۔ یہ شکست کی آواز آتی رہے گی ۔ وہ ادیبوں شاعروں ۔ دانشوروں ۔ مدبروں ۔ مفکروں کو بلاتی رہے گی ۔ جب تک وہ اس طرف نہیں آتے اس وقت تک ۔

شاہین بدر

رفاقت

ننھا منّا، پیارا پیسہ !
اپنا خون پسینہ کر کے جس کو حاصل میں نے کیا تھا
چشم زدن میں
میرے کھدر کے کرتے کی جیب سے نکلا
ریشم کے کرتے کو دیکھا
سیٹھ کے تن پر
اور جا پہنچا آنکھ بدل کر
ریشم کے تھیلے کے اندر
ننھا منّا پیارا پیسہ !!

یہ جسم

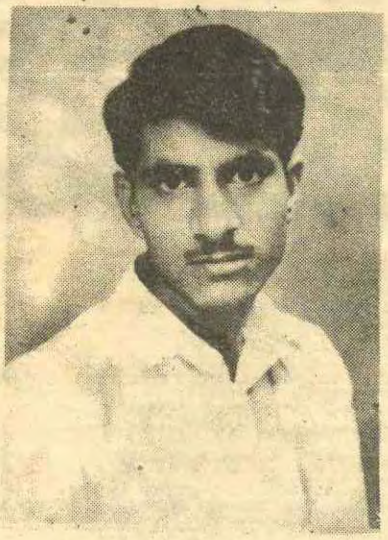
جمہور کی عظمت کا پیکر
ہر اہلِ وطن کو پیارا ہے
یہ پیکر پیار کا پیکر ہے
یہ جسم وفا کا دھارا ہے
اس جسم کے سونے چاندی کو
مٹی میں نہ رولو نا دانو!
پچھتاؤ گے۔

یہ پیکر تم سے کہتا ہے
زندہ ہیں وفا کے متوالے
یہ جسم صدائیں دیتا ہے
آزاد رہیں گے دل والے

آزاد رہیں گے دل والے
اور قریہ قریہ گھومیں گے
اور پیار کی جوت جگائیں گے
اور امن کے پھول کھلائیں گے

پھر گلشن گلشن مہکے گا
پھر بستی بستی گائے گا
پھر سارے غم ڈھل جائیں گے
پھر جینے کی رت آئے گی

پھر تم اسوقت کو ترسو گے
اسوقت بجز رسوائی کے
کچھ بھی نہ مگر ہاتھ آئے گا



سلیم خواجہ

کیا ہے جمہور کی سرداری ؟
پھر وقت تمہیں بتلائے گا

اس وقت کے آنے سے پہلے
اس گوہر کی قیمت جانو
اس ہیرے کی کچھ قدر کرو
اس جسم کی عظمت پہچانو
اس سونے کو اس چاندی کو
مٹی میں نہ رولو نادانو !

پچھتاؤ گے ——
پچھتاؤ گے ——

کہرے کی چادر

نذیر شاداں

میرے یخ بستہ ہاتھوں کی جانب نہ دیکھو
کہ صدیوں سے
ان دیکھے کہرے کی چادر
مجھے چار جانب سے گھیرے ہوئے ہے
غلامی کے کہنہ ٹھٹھرتے ہوئے سے زمستان کی خنکی
میری ہڈیوں میں اترتی رہی ہے
مرے جسم میں
گرم لاوے کی صورت ابلتا ہوا
سرخ و سیال خوں تھا
جواب جم گیا ہے۔!!

مرے دوستو!
میرے بعد آنے والو!
تم اپنے جواں سال ہاتھوں کی حدت کو محفوظ رکھنا
وگرنہ، یہ شام و سحر کا طلسماتی چکر
تمہیں میری مانند معذور کر کے
عدم کے خلاؤں میں گھل جائے گا!

افروایشیائی کانفرنس

کے

التوار کی وجہ سے "منشور" کا
"افروایشیائی اتحاد نمبر"
اگست میں شائع نہیں ہو رہا ہے



پشاور کے قہوہ خانے

محسن احسان

قدیم دیو مالائی کہانیوں کی طرح پشاور کے قہوہ خانے بھی خاصے مشہور ہیں — آپ پاکستان کے کسی گوشے میں بھی گھوم پھر کے دیکھیں آپ کو ہوٹل، ریستورانت اور عمدہ سے عمدہ کافی ہاؤس دکھائی دیں گے۔ لیکن آپ کو نہ تو پشاور جیسا قہوہ کہیں ملے گا۔ اور نہ ہی پشاور جیسے قہوہ خانے کہیں دکھائی دیں گے۔ بازار قصہ خوانی کی طرح یہاں کے قہوہ خانے بھی تقریباً تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔

ملک کے دوسرے حصوں میں اول تو قہوہ (سبز چائے) استعمال ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر کہیں ایک آدھ جگہ مل بھی جائے تو یوں سمجھئے ہوٹل کا مالک بڑا سمجھدار آدمی ہے۔ جس نے اپنے بدہاضمہ گاہکوں کے علاج کے لئے یہ مصیبت گلے لگا رکھی ہے مصیبت اس لئے کہ ایسے مخصوص مقامات پر قہوے کی تیاری میں کئی دوسرے معالجہ جات بھی استعمال کئے جاتے ہیں جن سے اچھا بھلا قہوہ عرق ندامت کی طرح کڑوا اور بد ذائقہ ہو جاتا ہے۔ قہوے کے اس مرکب میں علاوہ دوسری چیزوں کے دار چینی اور موٹی الائچی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اب اگر کبھی آپ نے پشاور کا قہوہ پیا یا چکھا ہو تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قہوے کا وہ مرکب کیسا ہو گا۔

اگر یہ فخر کی بات ہے تو پھر یہ فخر پشاور ہی کو حاصل ہے کہ یہاں ثقیل سے ثقیل غذا کو ہضم کرنے کے لئے قہوے جیسی کم قیمت اور فائدہ مند چیز بڑی آسانی سے ہر بازار اور گلی کے نکڑ پر مل جاتی ہے۔ ورنہ پشاور سے باہر تو اکثر لوگ طرح طرح کے چورن اور ہاضمے دار دوائیاں کھا کر بھی بدہضمی کی شکایت کرتے ہیں۔

ہاضمے کے علاوہ بھی قہوے کے کئی ایک فائدے ہیں، مثال کے طور پر یہ کہ اسکی، تیاری کے لئے بہت کم لوازمات کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ اور بہت کم وقت میں تیار ہو سکتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ کہ آپ کو امتحانات کی تیاری کے سلسلے میں رات بھر جاگنا اور، پڑھنا پڑتا ہے تو نیند کے غلبے سے بچنے کے لئے کھانے کے بعد دو ایک پیالیاں نوش فرما لیجئے انشاء اللہ رات گئے تک تو تھکاوٹ محسوس ہو گی نہ نیند آئے گی۔ تیسری خوبی یہ کہ اسکی گت اپ بڑی شاندار ہوتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ قہوہ کی تکونی پیالی میں زعفران کا کھیت لہلہا رہا ہو۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کو تو یہ قہوہ اتنا پسند تھا کہ بس شہید ہوتے تھے۔ جہاں گئے اپنے ساتھ قہوہ ضرور لے گئے۔ جہاں بیٹھے قہوہ کے فنجانوں کا ذکر ضرور کیا۔ اور تو اور جیل میں بھی قہوہ ان کا مونس و دمساز رہا۔ غبار خاطر کے اوراق پر جگہ جگہ قہوے کے زعفران زار بکھرے پڑے ہیں۔ ان کے اس والہانہ عشق کو دیکھ کر اگر کہا نہیں تو سوچا ضرور جا سکتا ہے کہ وہ روز حشر اللہ میاں سے کوثر کے بجائے قہوہ ہی طلب کریں گے (اور ممکن ہے انھیں مل بھی جائے)

پشاور کے قہوہ خانوں کی مکمل تاریخ تو اب تک کسی نے بھی مرتب نہیں کی البتہ ان کے تاریخی ہونے کا قیاس اس بات سے ضرور کیا جا سکتا ہے کہ غزنی کی طرف سے، آنے والے حملہ آور وسطی طرف سے پہلے یہاں قہوہ خانے موجود نہیں تھے. گویا قہوہ نوشی یہاں قطعاً رائج نہیں تھی۔ جیسے جیسے حملہ آوروں نے یہاں اپنے قدم جمائے انکی عادات جڑیں پکڑنے لگیں اور ان کے شوق کی چیزیں رواج پانے لگیں۔

پشاور کا مشہور قصہ خوانی بازار جہاں اس زمانے میں قصہ گویوں کا قبضہ تھا اس بات کی دلیل ہے کہ قصہ سننے والے سننے کے ساتھ ساتھ کچھ کھاتے پیتے بھی ہوں گے — پھر یہ کہ تاشقند اور بخارا میں ابھی تک قدیم قہوہ خانے اسی صورت سے قائم ہیں۔ بہرحال اگر ہم بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے بھی ان قہوہ خانوں کی تاریخی حیثیت مان لیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ویسے بھی ہم اب اس بات کے عادی ہو گئے ہیں کہ ہر رائج الوقت سکے یا شخصیت کو تاریخی ہی مانتے ہیں۔ کھانے پینے کے مقابلے میں تو ویسے بھی جھوٹ نہیں چلتا۔ جناب آدم کے شجر ممنوعہ (گندم ؟) چکھنے کے بعد یہ سوال کوئی اتنا اہم نہیں رہ جاتا کہ آیا انھوں نے شلغم بھی کھائے تھے یا نہیں۔ آخر عمر اتنی لمبی پائی تھی تو ظاہر ہے کہ صرف گندم ہی نہ کھائی ہو گی۔ ذائقہ بدلنے کے لئے پھل فروٹ اور دوسری کئی چیزیں بھی ضرور کھائی ہونگی۔

پشاور کے قہوہ خانوں کی بات چل رہی تھی۔ اور چلتے چلتے سمرقند و بخارا ہو کر دانہ گندم تک جا پہنچی۔ یہ اکثر ہوتا ہے کہ بات الف کی ہو رہی ہو اور ضمناً "ب" بھی کچھ اس طرح تھتی ہو جائے کہ کہنے اور سننے والے دونوں الف کو سرے سے بھول ہی جائیں۔ ان کی گفتگو معلق ہو کر رہ جائے۔ سمجھدار اور چالاک ادیب ایسی ضمنی باتوں کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ ایسی باتوں سے وہ مضمون پھیلانے میں مدد لیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ قارئین پر اپنی علمیت کا رعب بھی جاتے ہیں۔ جیسے کہ میں آپ کو قہوہ پلانے یا پینے پر تلا ہوا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ اپنے تاریخ داں یا نیم تاریخ داں ہونے کا ثبوت فراہم کر رہا ہوں۔

مضمون پڑھ لینے کے بعد یقیناً آپ بھی میرے متعلق وہی رائے قائم کریں گے جو میں دوسرے ادیبوں کے متعلق کہہ رہا ہوں۔ اگر آپ اسے ازراہِ تفنن ٹال دیں تو بندہ اسے عین کرم فرمائی سمجھے گا۔ بصورت دیگر کچھ بھی نہ ہو گا اور وہ یوں کہ میں اتنی تاریخ دانی کر کے آپ کا کچھ نہ کر سکوں تو آپ ذرا سی رائے قائم کر کے میرا کیا بگاڑ لیں گے۔ خیر ایک مرتبہ پھر آپ کو اصل موضوع کی طرف لئے چلتا ہوں۔

دنیا کے یکسر بدل جانے کے باوجود پشاور کے لوگ یا پشاور کی بعض روایات اٹل واقع ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر قہوے یا قہوہ خانوں کے ساتھ ساتھ یہاں کی نسوار جو قہوے کی گیلی پتی کی طرح سبز ہوتی ہے۔ جو اگر سانپ کے منہ میں چٹکی بھر ڈال دی جائے تو اس کے سارے کس بل نکل جاتے ہیں اور وہ محض رسی بن کر رہ جاتا ہے اس مرتبہ مزید بات سے قطع نظر یہاں کے قہوہ خانوں کی ایک خوبصورت بات یہ ہے کہ اگر ان کے در و دیوار پر حسرت سے نظر کی جائے تو نادر اور نایاب شعر بھی پڑھنے میں آتے ہیں۔ وہ شعر مجھے ٹھیک سے یاد تو نہیں مگر وزن کی قید میں ان کا مفہوم کچھ اس طرح ہونا چاہیئے۔

دنیا میں جو قہوہ کا طلبگار نہ ہو گا
محشر میں خدا اس کا مددگار نہ ہو گا

یہ ہے قہوے کی کرامت۔ اب ایسا کون دلی ہو گا جسے بغیر قہوے کے اللہ کی مدد مل جائے ہم عاصیانِ روسیاہ کا تو بس خدا ہی غمخوار و مددگار ہے۔ ۲۵ پیسوں کی ایک چینک ملتی ہے۔ یوں سمجھئے سیٹو اور سینٹو کی طرح باہمی مدد کا ایک عہد نامہ ہے۔ جس پر ہم ہر روز ۲۵، ۲۵ پیسوں کے کئی ٹکٹ چسپاں کر کے اسے پختہ سے پختہ تر کرنے کی سعی کرتے رہتے ہیں۔

مرزا غالب کے بارے میں مشہور ہے، وہ آموں کے بڑے رسیا تھے۔ اگر وہ پشاور میں پیدا ہوتے تو یقیناً قہوہ کے عاشق ہوتے اور شاید اپنی غزل کا مطلع یوں لکھتے ؎

دوست ناداری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
حشر کے دن بھی مجھے وہ قہوہ پلوائیں گے کیا

پشاور کے قہوہ خانوں کی اور بھی کئی خصوصیات ہیں۔ ان کا فرنیچر، انکی کراکری ان کے ملازم اور انکی دیواروں پر ٹنگی ہوئی تصاویر سبھی کچھ قابل دید ہے۔ یہ سب باتیں ہمارے اس دعوے کی تصدیق کے لئے کافی ہیں جو قہوہ خانے کے تاریخ کے سلسلے میں ہم نے کیا ہے آپ کو کوئی پیالی یا چینک ایسی نہ ملے گی جو ٹانکوں سے بھرپور نہ ہو۔ پیالیوں میں کم از کم تین اور چینکوں میں زیادہ سے زیادہ پچاس ٹانکے عام طور پر دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ چینکیں اور پیالیاں دل کے ٹکڑوں کی طرح بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ سے آنے والے سیاح انھیں بڑی حیرت اور دلچسپی سے دیکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کچھ امریکی سیاہ ایک قہوہ خانے کے قریب سے گزرتے ہوئے ٹھٹھک سے گئے اور آگ کی انگیٹھی پر دم لگنے کے لئے جڑی ہوئی چینکوں کو حیرت سے دیکھنے لگے۔ وہ اس بات سے غافل تھے کہ انکی پشت پر بھوکوں، ننگوں یا کم از کم ذہنی افلاس زدہ مخلوق خود انھیں کس حیرت اور کتنی دلچسپی سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ ہجوم دیکھ کر میں آگے بڑھ آیا۔ تاکہ انکی گفتگو سن سکوں جو وہ چینکوں کے بارے میں کر رہے ہیں۔ انکی باتیں سننے سے پہلے میرا خیال تھا وہ ہماری غربت اور روایات کا مذاق اڑا رہے ہوں گے۔ لیکن جب انکی باتیں سنیں تو حیران رہ گیا۔ وہ دراصل اس مسئلے پر آپس میں بحث کر رہے تھے۔ کہ کانچ کے رنگین ٹکڑوں کو پیتل اور تانبے کے تاروں سے جوڑ کر چینک بنانا کتنا بڑا فن ہے۔ علاوہ ازیں وہ ان چینکوں سے ہمارے تجریدی آرٹ کے دلدادہ ہونے اور ہماری، دستکاری کی معراج کی داد دے رہے تھے۔ وہ دبی زبان میں شکایت کر رہے تھے کہ ان کے ہاں تجریدی فن ابھی تک رنگوں کے جامے میں سسک رہا ہے۔

میرا جی چاہا کہ فوراً ہی انکی غلط فہمی کا ازالہ کر دوں۔ اور انھیں صاف صاف بتا دوں کہ اے اللہ کے مقدس بندو یہ چینکیں ہو بہو اس طرح نہیں بنائی گئیں۔ بلکہ آگ سینکتے سینکتے انھیں اتنے زخم لگے ہیں۔ اور یہ ٹانکے جو ہمارے تجریدی آرٹ کے دلدادہ ہونے کی دلیل بنے ہوئے ہیں دراصل ہماری زخمی روح اور پامال زندگی کے پیوند ہیں جو ہم نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے بدیسی تحفہ سمجھ کر قبول کئے تھے۔ جنکی یاد ابھی تک ہمارے سینوں میں چائے کی انگیٹھی کی طرح بھڑک رہی ہے۔ اور جنکی چھاپ ہماری زندگی کے ہر شعبے میں انہی ٹانکوں کی طرح لگی ہوئی ہے۔

جب وہ امریکن ان چینکوں کی تصویریں اتار کر لے گئے تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ پشاور کے قہوہ خانوں کی تاریخ کے اوراقِ پارینہ ہماری روایات پسندی کا پیوند والا جبہ اپنے عجائب گھروں کی زینت بنانے کے لئے چھین کر لے گئے ہوں۔

ان قہوہ خانوں سے ہماری زندگی کی لاتعداد داستانیں وابستہ ہیں۔ یہ قہوہ خانے صبح و شام آباد رہتے ہیں، ان کے دروازے جیب تراشوں، چور اچکوں، خونی درندوں بردہ فروشوں اور بیویوں کے ستائے ہوئے مظلوم شوہروں تک کے لئے کھلے رہتے ہیں لمبے سے میز کے دونوں طرف لمبے سے بنچوں پر لوگ مہمانوں کی طرح آ کر بیٹھتے ہیں۔ اور، میزبانوں کی طرح اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔

محسن احسان

غزل

موت سے یاری نہ تھی ہستی سے بیزاری نہ تھی
اس سفر پر چل دیئے ہم جس کی تیاری نہ تھی

ہم اسی کی خاک سے اٹھے ہیں کندن بن کے آج
دوستو جس شہر میں رسمِ وفاداری نہ تھی

ہم نے خونِ آرزو دے کر منقّش کر دیا
ورنہ دیوارِ طلب پر ایسی گلکاری نہ تھی

مر گئے سر پھوڑ کر دیوارِ زنداں سے اسیر
زندگی کنجِ قفس میں موت سے پیاری نہ تھی

اب شکستِ آرزو ہے باعثِ تسکینِ دل
اس سے پہلے تو کبھی یہ کیفیت طاری نہ تھی

جل رہا ہے ہر نفس اب اپنے غم کی آنچ سے
سانس لینے میں کبھی محسن یہ دشواری نہ تھی



روٹی

روشن آرا نیّر

راجہ آنگن میں دوڑ دوڑ کر تتلی پکڑ رہا تھا اور واجدہ چولہے کے قریب روٹیاں سینک رہی تھی دھوئیں کی وجہ سے اسکی بڑی بڑی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں باورچی خانے کے ستون کے قریب آفاق مونڈھے پر بیٹھا بغور واجدہ کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔
واجدہ کے گندمی رنگت چہرہ پر آگ کی سرخی پھیلی ہوئی تھی۔ جب کبھی وہ شعلوں سے بچنے کے لئے سر کو جھٹکا دیتی سیاہ زلفوں کی چند ایک لٹیں جبیں پر لٹک آتیں کانوں میں لگے فیروزے کے آویزے حسین عارض سے ٹکرا جاتے اور ایسے میں آفاق کا دل مچل جاتا۔ وہ ایک سسکی سی لے کر رہ جاتا۔ جاڑوں کی تیتی دھوپ میں واجدہ بنفشہ کا پھول لگ رہی تھی۔ اس وقت وہ سرمئی ساڑی اور کتھئی بلاؤز میں ملبوس تھی بلاؤز کا رنگ ساڑی پر کھل رہا تھا۔ آفاق شور مچاتے راجہ کی طرف مڑا اور اسے مخاطب کیا۔ "راجہ بیٹے ادھر آؤ۔؟"
راجہ دوڑتے دوڑتے یکلخت رک گیا۔ اور ابا کی طرف دیکھنے لگا۔ سپرامی کی جانب، مگر امی تھیں کہ چولہے میں پھوں پھوں کر رہی تھیں۔ وہ ابا کے قریب آکر بولا "جی — ؟"
آفاق اسے گود میں لے کر بولا "کہو بیٹے کلاس — ؟"
راجہ نے توتلی زبان میں کہا "کلاچھ —"
"تمہاری ممی فرسٹ کلاس" آفاق نے مسکرا کر کہا۔
"ہا ہا — ہا ہا۔ ممی میری فسٹ کلاچھ" راجہ آفاق کی گود میں مچل کر بولا اور وہاں سے نکل کر واجدہ کے قریب آکر وہ ہنس کر چیخا "ممی فسٹ کلاچھ"۔
واجدہ کو آفاق کی اس انوکھی شرارت پر بے اختیار ہنسی آگئی۔ اور وہ راجہ کو گود میں بھینچ کر بولی "نہیں بیٹے بری بات"
پھر آفاق کی طرف دیکھ کر بناوٹی لہجے میں کہا "آپ اپنی طرح اسے بھی شوخ کر دیں گے —"
"ارے بھئی تمہارا حسن ہی ایسا ہے کہ خواہ مخواہ شوخی کو دل مچلتا ہے۔ کیا کروں بہت دیر سے سرخ عارض کو دیکھ رہا تھا۔ اور اپنے لب چوس رہا تھا۔ مجھے ان شعلوں پر رشک آتا ہے جو تمہارے رخسار کو چوم لیتے ہیں" آفاق یہ کہہ کر مونڈھا لئے واجدہ کے بالکل قریب آگیا۔
"اللہ آجکل آپ بالکل وہ ہو گئے ہیں" واجدہ دلہن کی طرح شرما گئی۔
"میں غلط تھوڑا ہی کہہ رہا ہوں۔ تم نہیں جانتیں واجدہ" آفاق مغموم لہجے میں کہنے لگا "جب تمہیں چولہا پھونکتے دیکھتا ہوں۔ آہ کر کے رہ جاتا ہوں۔ دل میں ایک کسک سی اٹھتی ہے۔ ان نازک ہاتھوں کو میری وجہ سے کتنی تکلیف کرنی پڑتی ہے" اسکی آواز گلوگیر ہوگئی۔ آفاق کی آواز پر واجدہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اس کے سینے سے لپٹ گئی — اور راجہ ممی ڈیڈی کو دیکھ کر — ممی کی گود میں اور بھی سمٹ گیا۔

واجدہ اور آفاق دونوں ایک نئی گرمی میں جل رہے تھے کہ تبھی روٹی کے جلنے کی بو آئی دونوں کے جلتے ہوئے جسم ایک نئی بو کی وجہ سے سرد ہونے لگے۔ دونوں چونک پڑے واجدہ شرما کر بولی "روٹی جل رہی ہے"۔
"جلنے دو" آفاق نے کہا "یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جلنا روٹی کی فطرت ہے اسکی صدیوں پرانی کہانی ہے۔ یہ کبھی کسی کی حالت پر خوش نہیں ہوتی۔ چونکہ اس کا وجود ہی جلن سے ہے۔ اس لئے یہ ہمیشہ جلتی اور جلاتی ہے۔ اس سے ڈرنا کیسا۔ کبھی خوش رکھا ہے جو رکھے گی"
"آپ تو مایوسی کی باتیں کرتے ہیں۔ صبر کرنے والوں کے ساتھ خدا ہوتا ہے۔ اس سے . . . ." واجدہ نے شوہر کو تسلی دی۔
"تمہارا کہنا بالکل درست ہے۔ صبر کرنے والوں کے ساتھ خدا ہوتا ہے، روٹی نہیں"۔ آفاق کے ہونٹوں پر تلخی تھی۔ واجدہ نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ روٹیاں سینکی جا چکی تھیں۔ ایک اور پلیٹ میں سبزیاں اور روٹی رکھ کر آفاق سے بولی "خواہ مخواہ کی باتیں سوچ کر کیا فائدہ۔ جلدی تیار ہو جائیے۔ آپ کو انٹرویو میں جانا ہے"۔
"ہاں۔ یہ آخری انٹرویو ہوگا۔ چاہے روٹی یا موت" وہ سنجیدہ لہجے میں بولا واجدہ نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور حسرت سے کہا "آپ ایسی باتیں کیوں کہتے ہیں۔ اگر آپ یہی کچھ کہتے رہے تو میں جاتی ہوں" وہ جانے کو اٹھی۔
"ارے بھئی بیٹھو بھی تم تو واقعی خفا ہوگئیں۔ ہم بد قسمتوں کے لئے تو موت بھی گراں ہے" اس نے واجدہ کو بالکل قریب کھینچ لیا۔ اور راجہ کو دلار کرنے لگا۔
"آپ یہ سب کیوں سوچا کرتے ہیں۔ مجھے فاقہ کرنا پسند ہے۔ لیکن ایسی باتوں کا سننا قطعی پسند نہیں" وہ ساڑی کے پلو سے آنکھیں صاف کرنے لگی۔
"یار تم ذرا ذرا سی باتوں پر آنسو بہانے لگتی ہو۔ لو بھئی قسم کھاتا ہوں اب کبھی اس قسم کی گفتگو نہ کروں گا" آفاق نے بڑے بھولے پن سے کہا۔ واجدہ اس کے بھولپن پر جھوم سی گئی۔ آفاق نے رومال سے واجدہ کی آنکھوں کو خشک کر دیا۔ راجہ ممی اور ڈیڈی کو بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ دونوں کو مسکراتے دیکھ کر وہ چیخا "ڈیڈی ممی فسٹ کلاچھ" راجہ کی باتوں پر دونوں ہنس پڑے۔ آفاق نے پوچھا "تم نے اپنا کھانا کہاں رکھا"
"یہ کیا ہے؟ اور دو روٹیاں بن جائیں گی۔ آپ کھالیں۔ میں بعد میں کھا لونگی"
"نہیں ڈارلنگ۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ تم بھی ساتھ کھاؤ!"
اور آفاق کی ضد کے سامنے واجدہ کو سر جھکانا پڑا۔
تینوں کھا رہے تھے۔ اور تینوں سوچ رہے تھے۔ واجدہ، آفاق کو اور آفاق واجدہ کو — اور راجہ اپنے معصوم دماغ سے گندم کے ٹکڑوں کو۔ آفاق جلدی جلدی کھا کر انٹرویو کے لئے تیار ہو گیا۔ واجدہ نے جلدی سے اسکی بوسیدہ شیروانی دی۔ اور بغیر پالش کے جوتوں کو آنچل سے صاف کر کے آفاق کو پہنایا۔ جب آفاق دروازے کے باہر جا چکا تو واجدہ کے مکھن جیسے ملائم ہاتھ دعا کے لئے اٹھ گئے۔ نیلگوں آسمان کے

پیچھے جانے کتنے نفوس کی نگاہیں اٹکی رہتی ہیں اور واجدہ کی آرزومند نگاہیں آسمان سے بھی آگے بڑھ گئیں ماضی کی گہرائی میں! جلتے ہوئے مکان ڈوبتے چیختے بچے، ماں باپ کے کٹے دھڑ بچوں کے چھلسے ہوئے تن، یاس و حسرت بھرے چہرے، نوجوان معصوم لڑکیوں کی کراہیں عصمت کے بچاؤ کی جھلک، خون کے فوارے، وہ خود کو بچانے کے لئے پاگل کی طرح دوڑ رہی تھی۔ ہر طرف قہقہے امڈ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک دولت مند باپ کی بیٹی یتیم ہو گئی۔

عالیشان کوٹھیاں مذہب کے نام پر جل رہی تھیں۔ ٹھنڈے مذہب کو تپش کی ضرورت تھی۔ بتوں کو خون کی ضرورت تھی۔ شاید بتوں کے حلق خشک ہو گئے تھے۔ انھیں خون کی ضرورت تھی۔ وہ بھی معصوم مردوں، عورتوں اور بچوں کے خون کی۔ اور خون بہایا جا رہا تھا اور واجدہ اپنے جسم کو بچاتی دوڑ رہی تھی۔ کہ ایک نوجوان نے اسے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا

اور جب وہ ہوش میں آئی تو فرعونیت سے بچ گئی تھی۔ وہ کوئی اور نہیں آفاق تھا۔ اسکی ہی طرح ایک یتیم انسان تھا۔ واجدہ کو اسکی آغوش میں راحت ملی۔

لیکن اپنے جلتے مکان، مردہ باپ، بھائی بہن اور وطن سے دور آ کر بھی تو سکون میسر نہ ہو سکا۔ افلاس و غربت کی مہیب چادر دونوں کی زندگیوں پر بدستور پڑی تھی۔ آفاق کو سسپینڈ ہوئے آج ایک سال کا عرصہ ہو چلا تھا اور اس عرصے میں مایوسی ہی مایوسی تھی۔

پیٹ کی آگ نے واجدہ کو پڑوس کے وکیل صاحب کے ہاں کام کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ادھر ادھر کام کر دینے کے عوض میں اسے بی بی جی سے بہت کچھ مل جاتا تھا۔ بی بی جی بھی آخر ایک عورت تھی۔ لیکن اس سے کیا ہوتا تھا۔ اور مایوسی پہلے کی طرح آج بھی چھائی ہوئی تھی۔

وکیل صاحب کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ ماضی کے خیالوں سے چونک پڑی۔ راجہ باہر بچوں میں کب کا جا چکا تھا۔ وہ جلدی سے وکیل صاحب کے ہاں گئی۔

وکیل صاحب آنگن میں بیٹھے تھے۔ پچاس ساٹھ سالہ ڈھانچہ دھوپ میں چمک رہا تھا۔ گھر میں شاید کوئی نہ تھا۔ وہ الٹے پاؤں جانے کو مڑی کہ وکیل صاحب کی آواز آئی "راجہ کی ماں۔ مالکن تمہارے لئے آٹا چھوڑ گئی ہے اندر کوٹھری میں رکھا ہے جا کر لے لو۔"

واجدہ نے تشکر بھری نظروں سے وکیل صاحب کو دیکھا۔ اور آٹا لے کر جلدی سے چلی آئی۔ وہ آٹا گوندھ رہی تھی اور اس کے خیالات آفاق ہی میں گم تھے ـــ وہ انٹرویو سے دو بجے آئے گا۔ اس کے چہرے پر تھکان ہوگی وہ پژمردہ ہوگا۔ منہ سے کچھ نہ کہے گا۔ اور وہ جلدی سے روٹیاں پکانے لگی۔ چند روٹیاں تیار ہو چکی تھیں کہ وکیل صاحب کی آواز آئی "راجہ کی ماں" اس نے جلدی سے کواڑ کے قریب آ کر پوچھا "کیا بات ہے وکیل صاحب" "راجہ کی ماں ذرا جلدی سے ایک کپ چائے بنا دے۔ پانی اسٹوو پر چڑھا دیا ہے۔ مجھے جلدی بازار جانا ہے۔ تیری بڑی مہربانی ہوگی۔"

کچھ تامل کے بعد واجدہ چائے بنانے باورچی خانے چلی گئی۔ پانی ابل چکا تھا۔ ابھی وہ چائے ڈال ہی رہی تھی کہ وکیل صاحب آ گئے۔ وکیل صاحب کے چہرے پر اسکی نظر پڑتے ہی وہ چکرا گئی۔

وکیل صاحب کی نگاہوں میں خوفناک چمک تھی۔ واجدہ تیزی سے باہر کی طرف لپکی۔ آخر وہ عورت تھی۔ وہ عورت جسکو اکثر کئی کئی وقت فاقوں میں گزارنے پڑتے تھے وکیل صاحب مرد تھے۔ وہ مرد جنھیں عیاشی کے طریقے دریافت کرنے سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ واجدہ نے دیکھا کہ ان کا ایک ہاتھ اسکی نازک اور ملائم کلائی کو اپنی سخت گرفت میں لئے ہوئے ہے۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں کچھ نوٹ ہیں۔ انکی آنکھوں سے ہوس کی چنگاریاں برس رہی ہیں اور ہونٹوں پر ایک وحشی اور معنی خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ واجدہ کی نظر ایک دم سے وکیل صاحب کی مٹھی میں دبے ہوئے نوٹوں پر جم گئی۔ اسے خیال آیا کہ اب گھر میں بیچنے کے لئے کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ آفاق کے انٹرویو کا کوئی خاطر

یوسف عثمانی

طوفانِ عزائم کی گرہ کھول رہے ہیں
دھاروں پہ سفینے جو ابھی ڈول رہے ہیں

وہ لعل و گہر بھی کبھی کہلائیں گے انمول
جو آج کے بازار میں بے مول رہے ہیں

ہے داد طلب جذبۂ پرواز ہمارا
ہم قید میں رہتے ہوئے پر تول رہے ہیں

طعنے نہ بہت دو مری دریوزہ گری کو
ہاتھوں میں تمہارے بھی تو کشکول رہے ہیں

جو سنگ گراں پھینکے گئے شیشۂ دل پر
ہم تارِ رگِ جاں پہ انھیں تول رہے ہیں

اس واسطے ارباب جہاں ہم سے خفا ہیں
ہم وقت کے ناخواندہ ورق کھول رہے ہیں

ہم وقت کے سقراط ہیں اس واسطے کچھ لوگ
سونے کے حسیں جام میں سم گھول رہے ہیں

مجبور کی آنکھوں سے چھلکتے ہوئے آنسو
خاموش ہیں۔ خاموش۔ مگر بول رہے ہیں

خواہ نتیجہ نکلنے کی امید نہیں ہے۔ راجہ کے ہونٹوں پر مٹھائی کی فرمائش آتے آتے رہ گئی ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے وکیل صاحب کی سخت گرفت سے آزاد ہونے کی جدوجہد رک گئی۔ پھر اچانک اسکی نظر راجہ پر پڑ گئی جو دروازہ میں کھڑا ہوا بڑی حیرت سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا اسکی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ واجدہ نے ایک لمحے کے لئے رک کر سوچا۔ اس کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی۔ اور اس نے اسٹوو پر سے ابلتے ہوئے پانی کی پتیلی اٹھا کر وکیل صاحب کے منہ پر دے ماری اور تیزی سے بھاگ کر راجہ کو گود میں لے کر گھر آ گئی۔

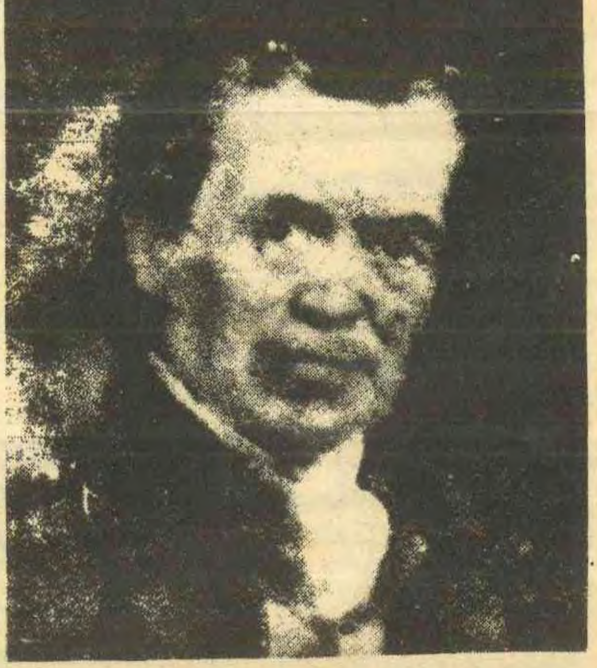
ایڈوارڈ ھکس

اٹھارویں صدی کا امن پسند مصور

نادر شاہ عادل

وہ جب بقید حیات تھا تو نافن شناس لوگوں کے طنز و طعنے سہتا رہا۔ اور اپنے فن کی تضحیک گوارا کرتے کرتے ۱۸۴۹ء میں راہیٔ ملک عدم ہوا۔ لیکن مرنے کے بعد اسکی وہی لافانی اور عدیم المثال تخلیقات جنھیں وہ اپنی حیات کے وقت صرف ۱۰۰ پونڈ میں فروخت کرسکا تھا آج ۰۰۰ر۱۰ پونڈ میں بھی سستی سمجھی جاتی ہیں اور عصر جدید کے نقاد اس کے فن کی اہمیت اور حقیقت کا سراغ لگا کر یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ امریکہ کے ابتدائی مصوروں میں اپنی تصاویر کے ذریعہ امن کا پیغام کسی اور نے نہیں دیا ہے۔ ایڈوارڈ کی تقریباً تمام تصاویر میں معصومانہ جذبات و احساسات اور امن پسندی کا اظہار انتہائی فنکارانہ انداز سے کیا گیا ہے اور یہی خوبی ایڈوارڈ کو زمانہ ماقبل کے مصوروں سے ممتاز کر دیتی ہے۔ رنگوں کی آمیزش، حقیقت سے ہم آہنگی اور صحیح مواد استعمال کرنے کی وجہ سے اس کی بیشتر تصاویر ایرانی مصوری کی یاد دلاتی ہیں۔

نقادوں نے نہایت تحقیق اور غور و فکر کے بعد یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس کی چند تصاویر مشہور انگریز شاعر ولیم بلیک کے خیالات اور نظریات کی ترجمان اور آئینہ دار ہیں اور وہ بھی ولیم بلیک کے نظریات کا قائل ہو کر عالمی امن کا خواہشمند تھا اس کے دل میں محبت کا جذبہ تھا اور وہ دوستوں اور احباب کے جھرمٹ میں بیٹھ کر، کیف و سرور محسوس کرتا تھا۔ وہ اس بات کا متمنی تھا کہ لوگ اس سے ہمدردی



کا دم بھریں اور اس سے میٹھی میٹھی باتیں کر کے اس کا دل بہلائیں۔ اسے مذہب پر مکمل اعتماد تھا اور انجیل کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد وہ ایک مبلغ بن گیا۔ اور مذہب ہی کو عالمی امن اور مساوات کی علامت تصور کرتا رہا۔

اس نے مصوری کی ابتدا گاڑیوں اور کارخانوں کے شیشوں پر رنگ سازی کے ذریعہ کی اور مکانات و فرنیچر پر رنگ سازی کا معاوضہ بھی بالکل کم لیتا تھا تاکہ لوگ اس سے بدگمان یا نفرت نہ کرنے لگیں۔ ۳۱ برس کی عمر میں اس نے باقاعدہ انجیل کی تبلیغ کا آغاز کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر مختلف مقامات پر لوگوں کو درس دیا کرتا تھا۔ اگر مجمع سے خطاب کرنے کے لئے کوئی گھر یا مناسب جگہ نہ ملتی تو اسکولوں کی کلاس روم میں لوگوں کو بلا کر خطبہ دیتا۔ مگر کافی عرصہ گذر جانے کے بعد اس کے دل میں مصوری کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور اپنی پہلی فرصت میں ہی اس نے شہرہ آفاق تخلیق "پرامن سلطنت" بنائی جس میں مختلف قسم کے درندوں، چوپایوں اور انسانوں کے ذریعہ امن پسندی کی عکاسی کی گئی ہے جب پہلی بار یہ تصویر تخلیق کے مراحل طے کر رہی تھی تو لوگوں نے اس کا مذاق اڑایا۔ اور اسے طرح طرح کے طنزیہ القاب سے نوازا۔ لیکن ایڈوارڈ نے ان کی ان حرکات سے کوئی تاثر نہیں لیا۔ اس کے بعد اس نے مختلف موضوعات کو تخلیقی روپ دیا جن میں کھیتوں کے سہانے مناظر کے علاوہ "نیاگرا آبشار" اور "ولیم پین کی ریڈ انڈینوں کے ساتھ صلح" کافی مشہور ہیں، لیکن اسکی زیادہ تر تصویروں میں امن کا درس دیا گیا ہے اور اسی امن کے موضوع پر اسکی ۸۰ تخلیقات ہیں جن میں جانوروں کی محبت اور معصوم چہروں کے ذریعہ امن کی عکاسی کی گئی ہے دیگر مشہور و معروف مصوروں کی طرح وہ بھی مفلسی اور عسرت کی وجہ سے فنی تربیت نہ پاسکا اور نہ ہی کسی آرٹ انسٹی ٹیوٹ سے مصوری کے متعلق بنیادی اصول سیکھ سکا بلکہ خود اپنی ذاتی کوششوں اور لگن کے ذریعہ اس نے تصاویر بنانا سیکھ لیا تھا۔ جہاں تک فطرت کے دلنواز اور سہانے مناظر کا تعلق ہے اس نے بہت کم ایسی تصویریں تخلیق کی ہیں جس میں فطرت کے مناظر کو تصویری سانچے میں ڈھال دیا گیا ہو۔ لیکن جتنی بھی ہیں وہ سب گراں قدر اور لافانی ہیں۔

ایڈوارڈ کی یہ ہمیشہ سے عادت رہی ہے کہ وہ کسی دیکھے ہوئے منظر کو ذہن میں رکھ کر بعد میں اسے یادداشت کے ذریعہ مکمل کرتا۔ انھیں تصاویر میں "نیاگرا فال" قابل ذکر ہے، جسے اس نے ایک دفعہ دیکھ کر خیالی طور پر بنایا ہے۔ اور اس کے علاوہ اس نے کہیں کہیں دیگر مصوروں سے استفادہ بھی کیا ہے۔ ایڈوارڈ کی تصویروں میں ہمیں جو معصومی اور حقیقت کے ملے جلے جذبات نظر آتے ہیں وہ اسکی حساس فنکارانہ صلاحیتوں کی آئینہ دار ہیں۔

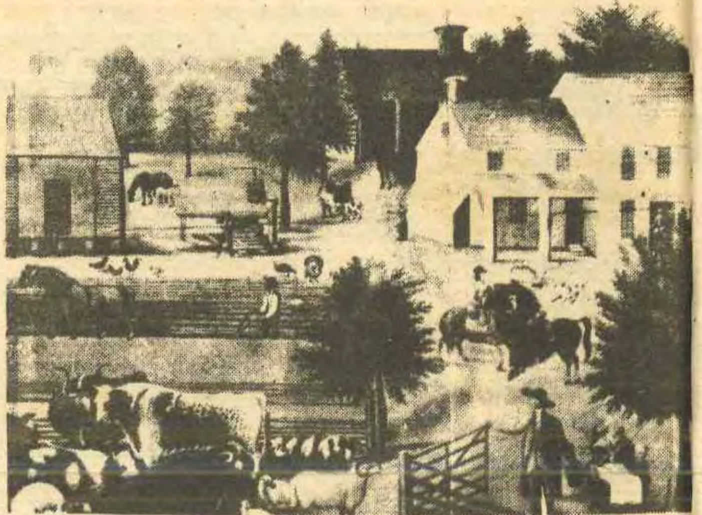
درمیانے قد اور دبلے پتلے جسم والے اس ذہین اور فطری مصور نے اپنی تمام زندگی، دوسروں کی مدد اور امن کے قیام کی خواہش میں وقف کر دی۔ اسکی باتوں میں بلا کا جادو تھا۔ لوگ اسکی پر اثر گفتگو سن کر مسحور ہو جاتے تھے اور وہ جب خطبہ دیتا تھا تو لوگ زار و قطار رو پڑتے تھے۔ وہ انتہائی مخلص انسان تھا اگرچہ لوگوں نے اس کے فن اور شخصیت



کی تذلیل کی لیکن وہ ہر وقت ان کے ساتھ عاجزی سے پیش آتا تھا۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ ایڈوارڈ کے گاؤں کی آبادی ۱۰۰۰، افراد پر مشتمل تھی لیکن اس کے جنازے میں ۴۰۰۰، افراد نے شرکت کی تو ہمیں ایڈوارڈ کی شخصیت کا احساس ہوا لیکن اب وہ احساس کوئی معنی اور اہمیت نہ رکھتا تھا۔

ایڈوارڈ بچپن ہی سے مفلسی اور تنگدستی کا شکار رہا۔ اسکی والدہ اس وقت مرگئی تھی جب وہ شیر خوار تھا اور اسکی والدہ بھی انتہائی مجبوری کی زندگی بسر کرتی تھی ۳ برس کی عمر سے لے کر ۱۳ برس کی عمر تک وہ ایک انجانے کسان کے ہاں پلتا بڑھتا رہا جو بڑا غصیلا اور تندمزاج تھا۔ لیکن اسکی بیوی بڑی شفیق تھی اور ایڈوارڈ سے مادرانہ برتاؤ کرتی رہی۔ ایڈوارڈ جب عالم شباب کو پہنچا تو کسان کی بیوی نے اسے اپنے مذہبی اعتقادات ذہن نشین کرائے اور انجیل کا درس دیا اور ایڈوارڈ کا یہ عالم تھا کہ وہ جب بھی کسان کی بیوی سے گفتگو کرتا تو دوزانوں جھک کر کرتا، وہ مرتے دم تک اس نیک اور مخلص عورت کی تعریف کرتا رہا۔ زندگی کے آخری ایام میں اس تنگ دست امن پسند مصور نے اپنے والد حقیقی کے ایک سرسبز کھیت کی بہترین تصویر بنائی جس میں تقریباً ہر چیز دکھائی گئی ہے اور پر امن اور خوشگوار زندگی کی کامیاب تصویر پیش کی گئی ہے اور اس تصویر کی تخلیق کے چند عرصہ بعد اس نے مصوری سے کنارہ کشی اختیار کرنے

کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے سوچا کہ لوگ میرے فن کی غرض وغایت نہیں سمجھتے اور اسکی حقیقت کا سراغ نہیں لگاتے۔ البتہ مذاق ضرور اڑاتے ہیں اور میں نے خواہ مخواہ رنگ سازی ترک کرکے انسانیت کی مدد سے ہاتھ کھینچ لئے اور اسی



خیال کے آتے ہی اس نے دوبارہ رنگ سازی شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اسکی یہ دیرینہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ اس لئے کہ وہ اب زندگی کے آخری لمحات گزار رہا تھا اور صحت بھی روز بروز خراب ہوتی جارہی تھی۔ خیال کیا جاتا ہے بلکہ نقادوں نے تسلیم کیا ہے کہ کچھ، لوگوں کو اسکی فنی صلاحیتوں کا ابتدا میں پتہ چل گیا تھا اور وہ اسے عظیم مصور تسلیم کرتے تھے لیکن ایڈورڈ نے آخری دم تک نہ ہی شہرت کا خواب دیکھا اور نہ ہی امارت و سرمایہ داری کا بلکہ وہ، گمنامی کی زندگی گزارنے کی حسرت میں انتقال کرگیا۔ دنیا کا ہر نقاد فن اسکی پرخلوص شخصیت اور فن کے آج بھی گن گاتے ہیں شاید یہی وجہ ہے کہ وہ اسے امریکہ کا مشہور ابتدائی امن دوست مصور قرار دے چکے ہیں۔



منشور سب کا ہے
خود پڑھئے
اور
دوسروں کو
پڑھائیے



دانشمندوں کو قتل کر دیا جائے تو احمق ان کا بدل نہیں بن سکتے ———— مولانا روم

انسان نے اسوقت تک جتنے معاشرے قائم کئے ہیں ان سب کی تاریخ طبقاتی نزاع کی تاریخ ہے۔ غلام اور آقا۔ امرا و جمہور۔ سرمایہ دار و مزدور ہمیشہ ایک دوسرے کے مخالف اور باہم برسرپیکار رہے ہیں۔ یہ لڑائی شروع ہی سے یونہی مسلسل جاری ہے۔ کبھی اس کی آگ دھیمی پڑ جاتی ہے اور مخفی طور پر اندر ہی اندر سلگتی رہتی ہے اور کبھی اس کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں۔ پھر اس کا انجام یا تو یہ ہوتا ہے کہ انقلاب پورے معاشرے کو بدل ڈالتا ہے۔ یا پھر دونوں برسرپیکار طبقے مٹ جاتے ہیں ———— کارل مارکس

اس شخص کو کبھی موت نہیں آتی جو علم کو زندگی بخشتا ہے۔ ———— حضرت علیؓ

ہم دنیا کے متعلق صحیح علم اور اس کے اہم مسائل کا صحیح حل صرف عقل کی رو سے ہی دریافت کر سکتے ہیں۔ عقل انسان کے لئے نعمت عظمیٰ ہے یہی وہ خصوصیت ہے جو اسے حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔ وحی یا معتقدات کا تصور دانستہ یا غیر دانستہ یکسر فریب پر مبنی ہے۔ ———— ھیگل

انقلاب تو کھاد اور کوڑے کے اس بدبودار ڈھیر کی طرح ہے جس میں سے اعلیٰ ترین پھول اور سبزیاں کھلتی ہیں ———— نپولین

جب کچھ آدمی بغیر محنت کئے زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو اس کا قدرتی اور لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ دیگر اشخاص کو بغیر مناسب اجرت و صلہ کام کرنا پڑتا ہے ———— اپٹن سنکلیئر

یہ بے وقوف لوگ جو اپنے آپ کو مذہب کے علمبردار کہتے ہیں جسمانی اذیتوں کا مرکز دوزخ بتاتے ہیں۔ میرے لئے تو حقیقی دوزخ تمہیں (اپنے معشوق کو) کسی دوسرے کی باہوں میں دیکھنا ہوگا ———— الیگزینڈر

زبان کی لغزش پاؤں کی لغزش سے بہت زیادہ خطرناک ہے ———— عثمانؓ

ملوکیت پرستوں کی خاطر کشتوں کے پشتے لگا دینے والے سپاہی تو اتنا بھی نہیں جانتے کہ جنگ کس لئے لڑی جا رہی ہے ———— کارلائل

عورتوں میں زیادہ تر خرابیاں مردوں کی وجہ سے پائی جاتی ہیں حالانکہ مرد اپنی زیادہ تر خوبیوں کے لئے عورتوں کے احسان مند ہیں ———— لیمی زیل

غصہ ہمیشہ حماقت پر شروع ہوتا ہے اور ندامت پر ختم ———— ارسطو

جب قومیں آزادی کی خاطر ایک دوسرے سے دست بگریباں ہو رہی ہوں اسوقت کسی شخص کا بیمار پڑ جانا نہایت فضول ہے ———— ہیزلٹینی

جنس سونے کو آج سوسائٹی نے اس قدر اہمیت دے رکھی ہے ہمارے آورش (بغیر جماعت) سماج میں اس سونے کے پاخانے کے لئے گملے تیار ہوں گے ———— لینن

میرے عمل کو تو میرے ملک کے حکمرانوں کے قوانین محدود کر سکتے ہیں۔ مگر میرے خیالات کی پرواز کی کوئی حد نہیں ———— فاسٹو

جنگ کے دنوں میں عبادت گاہیں اور گرجے بھی رنگروٹ بھرتی کرنے کے دفتر بن جاتے ہیں ———— چھبیلداس

اگر آپ کو لازماً کسی بات پر یقین کرنا ہے تو اس پر کیجئے کہ آپ بڑی حد تک دوسرے لوگوں جیسے ہی ہیں ———— لوول

جو زیادہ بولتے ہیں وہ جانتے نہیں اور جو جانتے ہیں وہ زیادہ بولتے نہیں ———— چینی کہاوت

کس قدر اندھا ہے وہ شخص جو اپنی جیب سے دوسرے کا دل خریدنا چاہتا ہے ———— جبران

انسانوں کے ابتدائی سماجی شعور سے لے کر اسوقت تک ان کے احساس، وجدان ذوق اور نقطۂ نظر میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ اس جدوجہد کی کہانی ہیں جو سماج کی بڑھتی اور پھیلتی ہوئی ضرورتوں میں توازن قائم کرنے کے لئے انسانوں نے کی ہیں۔ یہ کوئی مابعدالطبعیات یا خیالی بات نہیں ہے۔ بلکہ مادی کشمکش نے جس طرح اس کے شعور کو ترتیب دیا ہے۔ یا مادی حالات پیدا کئے ہیں۔ اس کی تاریخ ہے ———— احتشام حسین

مزدوروں کا خون جب بارش کے لاتعداد قطروں کی طرح زمین پر گرتا ہے تو اس سے حقیقت اور صداقت جنم لیتی ہے ———— گورکی



قرارداد نمبر (۱)

کراچی کی مختلف ٹریڈ یونینوں کا یہ کنونشن مشرقی پاکستان میں حالیہ طوفان کی شکل میں واقع ہونے والے عظیم حادثے پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ جس میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق تقریباً ۱۵ ہزار انسانی جانیں ضائع ہوئیں اور کئی لاکھ خاندان برباد ہو گئے

یہ اجلاس متاثرہ افراد سے ہمدردی کے ساتھ حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ مشرقی پاکستان میں سیلاب اور طوفان کی روک تھام کا مستقل انتظام کرے۔

یہ اجلاس قاہرہ کے حادثے پر اپنے دلی رنج و افسوس کا اظہار کرتا ہے اور مرحومین کے پسماندگان سے اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

یہ اجلاس مزدور ساتھیوں سے درخواست کرتا ہے کہ متاثرہ خاندانوں کی امداد کیلئے جو ادارے قائم کئے گئے ہیں ان میں اپنی گنجائش کے مطابق چندہ دیں۔

قرارداد نمبر ۲

یہ کنونشن ملک کے موجودہ اقتصادی نظام کے لازمی نتیجے میں بڑھتی ہوئی گرانی کو تشویش کی نظر سے دیکھتا ہے جبکا زیادہ تر شکار محنت کش عوام ہو رہے ہیں اور انکی قوت خرید گرتی جارہی ہے اور دوسری طرف انکی تنخواہیں اسی جگہ ہیں جہاں آج سے ۱۰ - ۱۲ سال قبل تھیں۔

اس کنونشن کی رائے میں ملک کی ایسی اقتصادی یا صنعتی ترقی جس کا فائدہ کروڑوں عوام کے بجائے چند سرمایہ دار خاندانوں کو پہنچ رہا ہے ملک و قوم کے مفاد کے منافی ہے یہ کنونشن حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ :-

۱:- صنعت کاروں کے نفع خوری کے رجحان کا انسداد کرے۔

۲:- مہنگائی کو کم کرنے کے لئے موثر اقدام کرے۔

۳:- مزدوروں کی کم از کم اجرت ۱۵۰ روپے ماہانہ مقرر کرے اور اسی تناسب سے ہنرمند مزدوروں کی کم از کم اجرت جلد از جلد مقرر کرے۔

قرارداد نمبر ۳

کراچی کی مختلف ٹریڈ یونینوں کے نمائندوں کا یہ کنونشن شدت سے آگے بڑھتے ہوئے نئے بھارتی سامراج کی پاکستان دشمن سرگرمیوں کی سخت مذمت کرتا ہے اور اس امر کا واضح اعلان کرتا ہے کہ پاکستان کے محنت کش کسی بھارتی سامراجیت کے خلاف بھی اسی شدت سے برسرپیکار رہیں گے جس شدت سے وہ امریکی و برطانوی سامراج کے اثر کو پاکستان سے ختم کرنے کے کوشاں ہیں۔

یہ کنونشن ساری دنیا کے محنت کشوں۔ خصوصاً بھارت کے محنت کشوں سے جنکے حالات کار بھی بین الاقوامی سامراج کی دست برد سے اتنے ہی بدتر ہیں جتنے کہ دنیا کے دیگر نوآبادیاتی اور نیم نوآبادیاتی ملکوں کے محنت کشوں کے ہیں۔ اپیل کرتا ہے کہ بھارتی ذہنیت سمیت تمام دنیا کے سامراج کو افریقی اور ایشیائی ملکوں سے نیست و نابود کرنے کے لئے عملی اقدام کریں۔

یہ کنونشن بھارت کے سامراجی اقدام کو شکست دینے پر پاکستان کے فوجی جوانوں کو مبارکباد دیتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ ملک کی سالمیت اور حفاظت کے لئے وہ آئندہ اسی طرح سینہ سپر رہیں گے۔

یہ کنونشن حکومت کو اس بات کا پختہ یقین دلاتا ہے کہ بھارتی اور بین الاقوامی سامراج کے خلاف جنگ کرتے اور پاکستان کی سرحدوں کا دفاع کرنے میں کراچی کے محنت کش پیش پیش رہیں گے۔

قرارداد نمبر ۴

یہ کنونشن ویت نام میں کھلی ہوئی امریکی جارحیت کی سخت مذمت کرتا ہے اور حکومت امریکہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ ویت نام کے عوام پر طاقت کے بل پر تسلط قائم رکھنے کی پالیسی ترک کر دی جائے۔

یہ کنونشن ویت نام میں امریکی فوجوں کی بمباری، زہریلی گیس کے استعمال کی بھی سخت مذمت کرتا ہے اور دنیا بھر کے عوام سے خصوصاً محنت کش عوام سے اپیل کرتا ہے کہ وہ امریکہ کی اس ننگی جارحیت کے خلاف ٹھوس اقدام کریں۔

یہ کنونشن حکومت پاکستان سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ویت نام میں امریکی



محمد علی



صغیر احمد



چاچا علی جان



نبی احمد





طفیل عباس



شیخ صاحب



نایاب نقوی

منصوبوں کی کھل کر مذمت کرے اور بدنام زمانہ سیٹو سینٹو اور پاک امریکی باہمی دفاعی معاہدے جیسے فوجی معاہدوں سے علیحدگی اختیار کر کے واضح غیرجانبدارانہ پالیسی اختیار کرے۔

قرارداد نمبر ۵

کراچی کی مختلف ٹریڈ یونینوں کا یہ کنونشن بنک دولت پاکستان کو پبلک یوٹیلٹی سروس قرار دینے کے حکم کو سخت تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے ۔ اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ اپنا یہ حکم واپس لے کر بینک کے محنت کشوں کا ہڑتال کا جائز حق بحال کرے۔

قرارداد نمبر ۵ ب

کراچی کی مختلف ٹریڈ یونینوں کا یہ کنونشن بنک دولت پاکستان کی انتظامیہ کی مزدور کش پالیسی خصوصاً اسٹیٹ بنک کے کراچی آفس کے مزدوروں کے کام کے کوٹہ میں ۵۰ فیصدی اضافہ پر سخت غم و غصے کا اظہار کرتا ہے ۔ اس اضافے کی بنا پر بنک کے مزدوروں کو صبح ساڑھے آٹھ سے شام کے ساڑھے چھ بجے تک مقفل کمروں میں بند رہنا پڑتا ہے ۔ جس سے انکی صحت پر بہت برا اثر پڑ رہا ہے ۔ اور وہ اپنی تمام تفریحی، تعلیمی، ثقافتی، گھریلو اور ٹریڈ یونین سرگرمیوں سے محروم ہو گئے ہیں ۔

قرارداد نمبر ۶

یہ اجلاس اس امر پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ قیام پاکستان کو ۲۰ سال سے زیادہ گزرنے کے بعد بھی محنت کش طبقے کو بنیادی ضروری سہولتیں حاصل نہیں ہو سکی ہیں جن میں مزدوروں کی رہائش کا مسئلہ انتہائی تکلیف دہ صورت اختیار کرتا جا رہا ہے اور پورے مغربی پاکستان کے محنت کش جو ملک کی اصل پیداواری قوت ہیں — جانوروں سے بدتر زندگی بسر کر رہے ہیں ۔

یہ حقیقت حکومت کے مزدوروں کی فلاح و بہبود کے نعروں کو قطعی بے نقاب کر دیتی ہے کہ اس نے مالکان کو صنعتوں میں توسیع اور پیداوار میں اضافے کیلئے مزدوروں کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کی تو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہ مزدوروں کے لئے کوارٹرز کی تعمیر کے نام پر مالکان کو زمین کے وسیع قطعات بھی دیئے گئے ہیں ۔ مالکان اس پر مجبور نہیں کر سکتی ہے کہ وہ اپنے مزدوروں کی رہائش کا بندوبست کریں ۔

یہ کنونشن حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ جس طرح مزدوروں پر نت نئے آرڈی ننسوں کے ذریعہ پابندیاں عائد کی جاتی رہی ہیں انکی اجتماعی سوداکاری کی قوت کو مفلوج کیا جاتا رہا ہے اسی طرح ایک قانون کے ذریعہ مالکان کو مزدوروں کے لئے مکانات تعمیر کرنے کا پابند کیا جائے ۔

قرارداد نمبر ۷

یہ کنونشن حکومت پاکستان سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ

یہ سیکورٹی ایکٹ، کرائمز ریگولیشنز، یونیورسٹی آرڈیننس، پریس اینڈ پبلیکیشن آرڈیننس ویسٹ پاکستان کریمنل لا امینڈمنٹ ایکٹ، ویسٹ پاکستان مینٹیننس آف پبلک آرڈر آرڈیننس جیسے کالے قوانین یکسر منسوخ کئے جائیں تاکہ ملک میں صحیح معنوں میں عوام کی بالادستی کا خاتمہ ہو ۔ یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے ۔ مختلف سیاسی کارکنوں مزدوروں اور مزدور رہنماؤں کے خلاف مقدمات واپس لئے جائیں ۔ اور ان کے خلاف جاری شدہ وارنٹ منسوخ کئے جائیں دفعہ ۱۴۴ کے مسلسل نفاذ کا سلسلہ بند کیا جائے ۔



محمد یامین



محمد عالم



ابن ایوب



الحروف حسین

اقبال احساس

شریکِ گلستاں جو کل رہی ہے
خوشی وہ آنسوؤں میں ڈھل رہی ہے

کسی فانوس کے سایہ میں دیکھو
تمنّا خون بنکر جل رہی ہے!

سحر کی جستجو میں جینے والو!
سیاہی خون بنکر پل رہی ہے

کسی کے پاؤں کے چھالوں سے پوچھو
نسیمِ صبح کیسی چل رہی ہے

سیاہی دامنِ شب پر جو آئی!
کسی کی آنکھ کا کاجل رہی ہے

قدم اپنے ذرا آہستہ رکھنا
کبھی یہ سرزمیں مقتل رہی ہے

کوئی شے جام میں احساس پی لی
مرے ہمراہ دنیا چل رہی ہے

شوکت عابدی

غزل

کیسے کیسے میخانے بن گئے ہیں ویرانے
وقت کے تقاضے کو پھر بھی لوگ کم جانے

گردشِ غمِ دوراں تونے وہ کئے احساں!
دور دور رہتے ہیں اپنے ہوں کہ بیگانے

اہلِ عقل و دانش بھی مات کھا گئے کیا کیا
منزلوں پہ پہنچے ہیں منزلوں کے دیوانے

آفتاب سے چہرے ماہتاب سے مکھڑے
کھو گئے کہاں آخر کیا ہوئے خدا جانے

آس بھی ہے یاس آگیں آرزو بھی حسرت ہے
زیست کے کرشموں کو کوئی کس طرح جانے

جستجو تمنّائیں، آرزو، طلب، ارماں
شوکتِ جنوں کے ہیں کامیاب افسانے

خبرنامہ



مزدوروں کو غیر مشروط طور پر ہڑتال کا حق دیا جائے

کراچی ٹریڈ یونین کنونشن کا مطالبہ ——— مالکان قوانین کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہیں

کارخانوں میں خودکار مشینیں نصب کرنے کی اجازت نہ دی جائے

کراچی ۱۳ ؍ جون ۔ کنٹرک حال میں کراچی کی مختلف ٹریڈ یونینوں کے نمائندوں کا ایک کنونشن ہوا جس میں کراچی کے ڈیڑھ سو سے زیادہ رجسٹرڈ اور غیر رجسٹرڈ یونینوں کے چار سو سے زیادہ نمائندوں نے شرکت کی موجودہ مزدور قوانین پر اور مزدور قوانین میں مجوزہ ترامیم پر شدید بے چینی کا اظہار کیا ۔ خصوصاً مزدوروں کو حق ہڑتال نہ حاصل ہونے پر حکومت کی لیبر پالیسی پر نکتہ چینی کی اور الزام لگایا کہ اس پالیسی اور مزدور قوانین کے تحت محنت کش مزدور طبقہ کو ، مفلوج اور بے دست و پا کر دیا ہے ۔ اور مالکان کو زیادہ سے زیادہ اختیارات دیئے گئے ہیں ۔ کنونشن میں اس امر پر بھی تشویش کا اظہار کیا گیا کہ مالکان اس قانون کی بھی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہیں ۔ لیکن اس قانون میں کوئی ایسی دفعہ موجود نہیں ہے کہ مالکان کو اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور کر سکے ۔ یہاں تک کہ صنعتی عدالت کے ایسے فیصلوں پر جس سے مزدوروں کو ، فائدہ پہنچتا ہو ، مالکان عمل نہیں کرتے ۔

کنونشن میں سیکورٹی ایکٹ ، سیفٹی ایکٹ ، پریس آرڈیننس ، یونیورسٹی آرڈیننس ویسٹ پاکستان مینٹیننس آف پبلک آرڈر آرڈیننس ، پر بھی نکتہ چینی کی گئی ۔ اور کہا کہ ـــ صحت مند معاشرے کے قیام میں یہ کالے قوانین حائل ہیں اور ان کے تحت مزدوروں کو انکی جائز سرگرمیوں سے روکا جا رہا ہے ۔ کنونشن میں ایک قرارداد کے ذریعہ کالے قوانین کے خاتمے ۔ صنعتی تنازعات کا آرڈیننس ، اسٹینڈنگ آرڈر آرڈیننس ، فیکٹری ایکٹ ، ٹریڈ یونینز ایکٹ میں ایسی ترمیمات کا مطالبہ کیا گیا جس سے مزدوروں کے حقوق محفوظ ہوں ۔ اور انھیں اجتماعی سوداکاری کا آزادانہ حق حاصل ہو ۔ کنونشن میں سب سے زیادہ زور غیر مشروط حق ہڑتال پر دیا گیا ۔ اور اس خیال کا اظہار کیا گیا کہ اس کے بغیر مالکان کبھی مناسب رویہ اختیار نہیں کریں گے ۔

کنونشن میں مشرقی پاکستان کے طوفان اور قاہرہ کے حادثہ پر دلی رنج و غم کا اظہار کیا گیا ۔ اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ مشرقی پاکستانی بھائیوں کو عظیم جانی و مالی نقصان سے محفوظ رکھنے کے لئے طوفان کا مستقل سدباب کیا جائے ۔

کنونشن میں ویتنام میں امریکہ کی ننگی جارحیت اور بھارت کی ابھرتی ہوئی سامراجی ذہنیت اور پاکستان دشمنی کی بھی مذمت کی اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ وہ سیٹو ، سینٹو اور امریکی دفاعی معاہدوں کو ختم کر کے واضح اور غیر جانبدارانہ پالیسی اختیار کرے ۔ ایک قرارداد کے ذریعہ پاکستان میں خودکار مشینوں کی تنصیب کی مخالفت کی جس سے ملک میں صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ بیروزگاری بڑھتی جا رہی ہے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ جب تک تمام کام کر سکنے والے افراد کو روزگار فراہم نہیں ہو جاتا ـ کارخانوں میں خودکار مشینیں نصب کرنے کی اجازت نہ دی جائے ۔

ایک آخری قرارداد کے ذریعہ ۱۹ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ۔ جو ناقص مزدور قوانین پر حکومت اور لیبر ڈپارٹمنٹ کی توجہ مبذول کرائے گی اور مطالبہ کرے گی کہ یونینوں کے رجسٹریشن میں امتیاز ترک کر دیا جائے ۔ نیز صوبائی وزیر محنت اور سیکریٹری وزارت محنت کو کنونشن کے تاثرات پیش کرنے کے لئے کراچی مدعو کرے گی ۔








قرارداد نمبر ۸

یہ کنونشن اس امر پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ صنعتی عدالتوں میں جو مزدوروں کے مسائل کے حل کا واحد ذریعہ قرار دی گئی ہیں کئی سال تک تنازعات کا فیصلہ نہیں ہو پاتا جس سے مزدوروں میں بے چینی پیدا ہو رہی ہے اور صنعتی عدالتوں پر سے اعتماد اٹھتا جا رہا ہے۔

یہ کنونشن اس امر پر بھی اپنی بے چینی کا اظہار کرتا ہے کہ صنعتی عدالتوں میں مزدوروں کا نمائندہ ایسے افراد کو مقرر کیا جاتا ہے جنھیں نہ صرف یہ کہ مزدوروں کا اعتماد حاصل نہیں نہیں ہوتا بلکہ ان کا مزدوروں سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ حکومت کی سرپرستی میں صرف ٹریڈ یونینوں کا کاروبار کرتے ہیں جسکے نتیجے میں صنعتی عدالت میں مزدوروں کے نمائندہ کی کرسی خالی رہتی ہے۔

یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ:۔

۱:۔ صنعتی عدالتوں کی تعداد بڑھا کر مقدمات کے فیصلوں کی مدت کا تعین کیا جائے جو چھ ماہ سے کسی طرح زائد نہ ہو۔

۲:۔ صنعتی عدالتوں میں مزدوروں کے ایسے نمائندے مقرر کیے جائیں جنھیں مزدوروں کی بھاری تعداد کی حمایت حاصل ہو۔

قرارداد نمبر ۹

یہ کنونشن ملک میں ایسی صنعتی منصوبہ بندی کو تشویش کی نظر سے دیکھتا ہے جس کے تحت پیداوار میں اضافے کے ساتھ ساتھ بے روزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اس کنونشن کی نظر میں صنعتی ترقی کے معنی ملک کے دس کروڑ عوام کی خوشحالی ہے۔ جو اسی وقت ممکن ہے کہ پیداوار میں اضافہ اور صنعتوں میں ترقی کے ساتھ ساتھ حالاتِ کار بہتر ہوں، تنخواہوں میں اضافہ، زندگی کی دوسری سہولتیں میسر ہوں اور ملک سے بیروزگاری کی تعداد میں کمی پیدا ہو۔ حتیٰ کہ بیروزگاری ختم ہو جائے۔ لیکن ملک میں موجودہ معاشی اور صنعتی نظام کے طفیل صنعتکاروں کے ذہنوں میں صنعتی ترقی کے معنی ملک اور قوم کی خوشحالی کے بجائے سرمایہ داروں کا بنک بیلنس اور آمدنی میں اضافہ ہے جس کے نتیجے میں محنت کش عوام بدحال سے بدحال ہوتے جا رہے ہیں اور اسطرح مزدوروں میں بے چینی اور غیر یقینی صورت حال جنم لے رہی ہے۔ اس لیے یہ کنونشن مطالبہ کرتا ہے کہ جب تک ملک میں تمام کام کر سکنے والے افراد کو روزگار فراہم نہیں ہو جاتا صنعتوں میں ایسی مشینیں نصب کرنے کی اجازت نہ دی جائے جس سے پیداوار میں اضافے کے ساتھ مزدوروں کی تخفیف لازم ہو جائے۔

یہ کنونشن حکومت سے یہ بھی مطالبہ کرتا ہے کہ مزدوروں کو انکی ملازمت کی اسی طرح ٹھوس ضمانت قانون کے ذریعہ مہیا کی جائے جس طرح صنعتکاروں کی صنعت میں لگائے ہوئے سرمائے کے تحفظ اور اس کے منافع کی دی گئی ہے۔

قرارداد نمبر ۱۰

یہ کنونشن صوبائی حکومت اور کراچی کی انتظامیہ کی توجہ اس افسوسناک صورت حال کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے۔ کہ لانڈھی ایس، آئی، ٹی اور کورنگی کے صنعتی علاقوں میں ابھی تک کوئی ہسپتال، ڈسپنسری، زچہ خانہ سرے سے موجود ہی نہیں۔ بار بار اعلانات کے باوجود مذکورہ علاقے کی آبادی اس بنیادی انسانی ضروریات سے محروم ہیں اور یہ بات مزدوروں کے مسائل سے مجرمانہ اجتناب برتنے کے مترادف ہے۔

یہ اجلاس صوبائی حکومت، کراچی کی انتظامیہ اور کارخانہ داروں سے پر زور مطالبہ کرتا ہے کہ بلا تاخیر کراچی کے تمام صنعتی علاقوں میں ضرورت کے مطابق ہسپتال اور زچہ خانے قائم کیے جائیں۔

قرارداد نمبر ۱۱

کراچی کی مختلف ٹریڈ یونینوں کے نمائندوں کا یہ اجلاس ملک میں مروج مزدور قوانین پر اپنی شدید بے چینی کا اظہار کرتا ہے۔ کیونکہ یہ قوانین جو مزدوروں کے حقوق کے تحفظ اور انھیں سماجی انصاف فراہم کرنے کے نام پر مسلط کیے گئے ہیں اپنے مذکورہ بالا مقصد میں قطعی ناکام رہے ہیں۔ اس کے برعکس اس کنونشن میں شریک نمائندگان اپنے تجربات کی بنا پر جو انھیں مصالحتی مفتگوں اور صنعتی عدالتوں میں پیش آتے رہے ہیں واضح طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان قوانین کے ذریعہ محنت کش طبقے کو بہتر حالاتِ کار کی عملی جدوجہد سے روک دیا گیا ہے۔ مالکان کو حد سے زیادہ اختیارات دے دیئے گئے ہیں تاکہ وہ من مانی کر کے مزدوروں کے حقوق غصب کریں اور انھیں جس طرح چاہیں اپنی نفع خور ذہنیت کا نشانہ بنائے رکھیں۔

یہ اجلاس مرکزی و صوبائی حکومتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ موجودہ مزدور قوانین میں اس طرح تبدیلی کی جائے کہ مزدوروں کو اجتماعی سوداکاری کا حق یعنی حق ہڑتال غیر مشروط طور پر حاصل ہو۔ انھیں انجمن سازی کی آزادی ہو اور اپنی مرضی سے اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق حاصل ہو۔ نیز ٹریڈ یونینوں کو یہ حق بھی حاصل ہو کہ مزدور قوانین کی خلاف ورزی کرنے پر بلاواسطہ مالکان کے خلاف مقدمہ دائر کر سکیں۔

قلمکاروں سے درخواست ہے کہ:۔

مضامین ۱۵ر تاریخ سے پہلے پہلے روانہ فرمادیں:۔

(ادارہ)

دادا پلاسٹک ورکس کے

مزدوروں نے پانچ نمائندوں کے ذریعہ ہڑتال کا نوٹس دیدیا

کراچی (نمائندہ منشور)

دادا پلاسٹک ورکس کے مزدوروں کا ایک جلسۂ عام جناب غنی گل صاحب کی زیر صدارت ٹریڈ یونینوں کی مجلس رابطہ دفتر واقع ولایت آباد منگھوپیر روڈ بتاریخ ۳۰ مئی ۶۵ منعقد ہوا۔ اجلاس نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ مطالبات کے سلسلے میں اسٹرائک نوٹس دیا جائے اور اس مقصد کے لئے غنی گل صاحب۔ بخت ور خاں۔ عزیز الرحمٰن۔ محمد قاضی اور وکیل خاں صاحبان کو اپنا نمائندہ منتخب کیا۔ اور جناب ابن ایوب صاحب کو اپنا مشیر مقرر کیا — اسٹرائک نوٹس مندرجہ ذیل مطالبات پر مشتمل ہے۔

۱:۔ چھٹیاں۔ سالانہ پندرہ دن۔ اتفاقی دس دن۔ بیماری دس دن۔

۲:۔ مکمل طبی سہولتوں کا مطالبہ جسکے تمام تر اخراجات کمپنی برداشت کرے۔

۳:۔ کم از کم اجرت تین روپے یومیہ۔

۴:۔ بس الاؤنس ساڑھے سات روپے ہر پندھرہ۔

۵:۔ حاضری الاؤنس ۵ روپے فی پندھرہ۔

۶:۔ ڈبل اوور ٹائم۔

۷:۔ سال میں دو وردیاں۔

۸:۔ زیادہ اجرت کی جگہوں پر نئی بھرتی نہ لی جائے۔ بلکہ پرانے مزدوروں کو ترقی دی جائے۔

۹:۔ ۶۳-۶۴ء ۔ ۶۴-۶۵ء کے لئے سالانہ دو ماہ کی تنخواہ بطور بونس۔

۱۰:۔ اجرت کی شرح پر نظر ثانی اور موجودہ اجرتوں میں پچیس فی صد اضافہ۔

۱۱:۔ چھٹی لینے کی صورت میں حاضری الاونس نہ کاٹا جائے۔

نوٹس پر اسسٹنٹ ڈائرکٹر لیبر ویلفیر چوہدری محمد حسین نے مصالحتی کاروائی شروع کر دی ہے۔

باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز کے

مزدوروں اور انتظامیہ کے درمیان کشیدگی شدت اختیار کرتی جا رہی ہے

کراچی (نمائندہ منشور) تقریباً دو ماہ سے باوانی وائلن ٹیکسٹائل ملز کے مزدوروں اور انتظامیہ کے درمیان کشیدگی پائی جاتی ہے جو روز بروز شدت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ اس صورت حال کی ابتدا اسوقت ہوئی جب ویونگ سیکشن کے مزدوروں نے اس بات کا مطالبہ کیا کہ چار مشینیں چلانے کی صورت میں چار مشینوں پر جتنے گز کپڑا تیار ہو انھیں پوری مزدوری ملنی چاہیئے۔ ورنہ وہ چار مشینیں نہیں چلائیں گے۔ انتظامیہ کا کہنا یہ تھا کہ وہ پہلے کی طرح آئندہ بھی چار مشینوں میں سے صرف تین مشینوں کی پیداوار کی مزدوری دیں گے۔ مزدور یہ کہتے تھے کہ ایسے وقت میں جبکہ روزگار کے مواقع کم ہیں اور ٹیکسٹائل کے مزدوروں کی کافی تعداد بے روزگاری کا شکار ہے چار مشینیں چلوانا آدھے مزدوروں کو روزگار سے محروم کر دینے کے مترادف ہے۔ دوسری بات یہ کہ ویور کو مزدوری فی گز کے حساب سے دی جاتی ہے۔ تو جتنا کپڑا تیار ہو پوری پیداوار پر مزدوری ملنی چاہیئے۔ انتظامیہ نے مزدوروں کے اس معقول مطالبے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مزدوروں نے چار مشینیں چلانے انکار کر دیا۔ اور صرف دو مشینیں چلا رہے ہیں۔ اس تنازعہ سے پہلے یہ طریقہ تھا کہ دو مشینوں پر جتنا کپڑا تیار ہوتا تھا اسکی پوری مزدوری دی جاتی تھی لیکن انتظامیہ نے انتقامی رویہ اختیار کرتے ہوئے اور اجرتوں کی ادائیگی کے قانون کی واضح خلاف ورزی کرتے ہوئے پہلے تو مزدوری ادا کرنے سے انکار کر دیا اور بعد میں اسّی فیصد کے حساب سے مزدوری ادائگی اور بیس فیصد مزدوری بحق کمپنی ضبط کر لی۔ اسی پر بس نہیں بلکہ انتظامیہ نے مزدوروں کو طرح طرح کے لالچ دیئے۔ دھمکیاں دیں اور غنڈہ قسم کے مزدوروں کو زائد مزدوری کا لالچ دے کر چار مشینیں چلانے کے لئے بھرتی کیا۔ لیکن مزدوروں نے اپنے اتحاد کو کسی طرح بھی مجروح نہیں ہونے دیا۔ اور چار مشینیں چلانے کی ہر کوشش ناکام بنا دی۔ اس اتحاد کی سزا کے طور پر تقریباً ایک سو، پچاس مزدوروں کو ملازمت سے برخاست کر دیا گیا ہے۔ اگر مزید کچھ عرصہ یہی حالت برقرار رہی تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ نتیجہ کیا نکلے گا۔ منگھوپیر کے صنعتی علاقے میں باوانی کے مزدوروں کی اس جد و جہد کا اور مزدوروں پر بھی اثر ہے اور وہ بھی اس قسم کا مطالبہ کرنے کے متعلق سوچ رہے ہیں۔

سلک انڈسٹری کا بحران!

حقیقی یا مصنوعی

کراچی (نمائندہ منشور) منشور کے انہی صفحات پر چند ماہ قبل اسی عنوان کے تحت خبر شائع ہو چکی ہے۔ آج سلک فیکٹریوں کی حالت پہلے سے زیادہ خراب ہے۔ جہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ پیداوار میں اضافے کی نسبت سے لوگوں کی قوت خرید میں اضافہ نہیں ہوا اور نتیجتاً کساد بازاری کا رجحان رونما ہوا ہے۔ وہیں یہ بھی حقیقت ہے کہ اس صنعت میں بار بار بحران دوہرے مقابلے کے نتیجے میں پیدا ہو رہا ہے۔ پہلا مقابلہ تو چھوٹے صنعتکاروں اور تاجروں کے درمیان ہے۔ تاجر چھوٹے صنعتکار کی مالی دشواریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے من مانی قیمت مقرر کرتے ہیں اور دباؤ ڈالنے کے لئے مال اٹھانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور چھوٹا صنعتکار شفٹیں بند کر کے یا شفٹوں کے اوقات گھٹا کر مزدوروں کے لئے مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ دوسرا مقابلہ اس صنعت کے بڑے صنعتکاروں اور چھوٹے صنعتکاروں کے درمیان ہے۔ چھوٹے صنعتکاروں کی کمزوری کے سبب بڑے صنعتکاروں کی پیداوار ان کے منہ مانگے داموں پر نہیں بک سکتی۔ اسی لئے وہ انھیں میدان سے ہٹا کر اپنی اجارہ داری کو مضبوط بنانے کی فکروں میں لگے رہتے ہیں۔ آنے والے وقت میں توقع ہے کہ یہ مقابلہ مزید شدت اختیار کرے گا۔ کیونکہ جلد ہی مصنوعی ریشم۔ نائلون۔ وغیرہ کی درآمد قطعی طور پر بند ہونے والی ہے اور مقامی طور پر اسکی پیداوار تین یا چار ایسے صنعت کاروں کے ہاتھ میں آجائے گی جنکے اپنے سلک ملز ہیں۔ اسطرح چھوٹے صنعت کار ریشے کی فراہمی کے لئے مکمل طور پر بڑے صنعت کاروں کے دست نگر ہوں گے اور انکی اجارہ دارانہ تجارتی حکمت عملی کے تابع ہوں گے۔ خیال یہ ہے کہ چھوٹے صنعت کار اپنے اس غیر یقینی مستقبل کو محفوظ بنانے کے لئے دباؤ ڈالنے کی خاطر پیداوار کو گھٹا رہے ہیں۔ کئی ملوں نے شفٹیں بند کر دی ہیں اور کئی ملوں مثلاً حاجی بشیر۔ نور سلک۔ قمر سلک وغیرہ میں چار چار اور چھ چھ گھنٹے کی شفٹیں چلائی جا رہی ہیں۔ اس کالازمی نتیجہ یہ ہے کہ سلک کے مزدوروں کی کافی تعداد بے روزگاری اور ناکافی اجرت کا شکار ہے۔ ابھی تک مرکزی یا صوبائی حکومت نے اس صورت حال پر توجہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے — اس کے برخلاف نئے بجٹ میں چھوٹی فیکٹریوں کی رعایت ختم کر کے ۷۵ روپے فی لوم ڈیوٹی لگا دی گئی ہے یہ بات حکومت اجارہ داری ختم کرنے کے اعلانات کو مشکوک بنا رہی ہے۔

مرزا ابراہیم کی گرفتاری کی مذمت اور رہائی کا مطالبہ

کراچی (اسٹاف رپورٹر) لانڈھی کورنگی کے پانچ مزدور رہنماؤں نے مزدور لیڈر مرزا ابراہیم کی گرفتاری پر شدید احتجاج کیا ہے۔ ایک بیان میں انھوں نے حکومت کے اس اقدام کو غیر دانشمند، غیر جمہوری اور مزدور تحریک سے دشمنی کے مترادف قرار دیتے ہوئے مرزا ابراہیم کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔ اس بیان میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مزدور رہنماؤں اور کارکنوں کی گرفتاری سے مزدوروں کے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ اگر کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح مزدوروں کو دبانے میں کامیاب ہو جائیں گے تو وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ کیونکہ جب تک مزدوروں کو ان کے حقوق حاصل نہیں ہو جاتے اس وقت تک مزدوروں میں پائی جانے والی بے چینی کسی طرح بھی ختم نہیں ہو سکتی۔ مزدور رہنماؤں نے ریلوے مزدوروں کو انکی مسلسل جدوجہد پر مبارکباد دیتے ہوئے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا ہے۔ اس بیان پر مسٹر ابن ایوب جنرل سیکریٹری گل برگ ٹیکسٹائل ملز لیبر یونین۔ مسٹر حاجی عدیل جوائنٹ سیکریٹری نگریا ٹیکسٹائل ملز لیبر یونین۔ مسٹر یوسف خاں یوسف زئی جنرل سیکریٹری حسین ٹیکسٹائل ملز لیبر یونین۔ مسٹر علی امام صدر جی کے این کورنگی ایمپلائز یونین۔ مسٹر عبدالحسن صدر سنگر انڈسٹریز لیبر یونین کورنگی کے دستخط ہیں۔

پیرس ملز لانڈھی میں فیکٹری ایکٹ اور کم سے کم تنخواہ کے قانون کی خلاف ورزی

لانڈھی (اسٹاف رپورٹر) معلوم ہوا ہے کہ پیرس ملز (سینا لمیٹڈ) میں ایک عرصہ سے مزدوروں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ انھیں مختلف طریقوں سے ۱۲-۱۲ گھنٹے ڈیوٹی دینے پر مجبور کیا جاتا ہے اور زائد وقت کے لئے کوئی اوور ٹائم بھی نہیں دیا جاتا۔ پیرس ملز میں کام کرنے والے ایک مزدور کارکن نے نمائندہ منشور کو بتایا کہ حکومت کے اعلان کے باوجود ابھی تک پاکستان ویجز بورڈ کے فیصلہ کے مطابق مزدوروں کی کم سے کم تنخواہیں وہی ہیں جو اس سے قبل سلک ٹیکسٹائل کے مزدوروں کو ملتی تھیں۔ یاد رہے کہ گزشتہ دنوں مغربی پاکستان ویجز بورڈ نے آرٹ سلک یارن کے مزدوروں کی تنخواہ ۸ روپے ۳۰ (ماہر مزدور ۵/۳۸۵) مقرر کی تھی۔ پیرس ملز کے مزدور اس صورت حال سے بہت تنگ ہیں۔ لیکن محکمہ محنت کے افسران ان حالات سے باخبر ہونے کے باوجود اس سلسلہ میں کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ مزدوروں کے ایک نمائندے نے بتایا کہ مزدور اس سلسلے میں جلد ہی کوئی اقدام کرنے پر غور کر رہے ہیں۔

جی، کے، این کورنگی ورکرز یونین کے عہدیدار کی برطرفی
تنظیمن کے اقدام کو صنعتی عدالت میں چیلنج کر دیا گیا

لانڈھی۔ گیٹ کین اینڈ ٹینٹل فولڈ ایمپلائز یونین کورنگی کی مجلس عاملہ کے ایک رکن اور سرگرم ٹریڈ یونین کارکن مسٹر رئیس احمد کو صنعتی تنازعہ کے دوران منتظمین نے بغیر وجہ بتائے ملازمت سے برطرف کر دیا۔ یونین نے اس سلسلے میں منتظمین سے زبردست احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ مسٹر رئیس احمد کو ملازمت پر بحال کیا جائے۔ کیونکہ منتظمین صنعتی تنازعہ کے دوران صنعتی عدالت کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتے۔ لیکن منتظمین اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے چنانچہ انڈسٹریل ڈسپیوٹ آرڈیننس کی دفعہ ۳۱ع کے تحت صنعتی عدالت کراچی میں ان کے اس غیر قانونی اقدام کو چیلنج کر دیا ہے۔ مذکورہ فیکٹری کے مزدوروں اور منتظمین کے درمیان مطالبات پر ایک مقدمہ پہلے ہی صنعتی عدالت کراچی میں زیر سماعت ہے۔ دونوں مقدمات کی تاریخ ۵ر جولائی مقرر کی گئی ہے۔ یونین کی طرف سے مسٹر اے مجید پیروی کر رہے ہیں

حبیب ٹیکسٹائل ملز کے مزدوروں نے
پانچ نمائندوں کے ذریعے اسٹرائک نوٹس دیدیا

کراچی (نمائندہ منشور) حبیب ٹیکسٹائل ملز کے مزدوروں کا ایک جلسۂ عام بتاریخ ۱۳ر جون ۶۵ ٹریڈ یونینوں کی مجلس رابطہ کے دفتر واقع ولایت آباد۔ زیر صدارت صاحب خاں صاحب منعقد ہوا۔ اجلاس نے متفقہ طور پر پانچ نمائندے چنے اور بونس، کوارٹر الاونس پراوڈنٹ فنڈ وغیرہ مطالبات پر اسٹرائک نوٹس دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ فیصلہ اس بنا پر کیا گیا کہ حبیب ٹیکسٹائل ملز ورکرز یونین اس وقت کوئی کام کرنے کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے سابقہ عہدیداروں کو ہنگامی اجلاس عام نے قرارداد عدم اعتماد پاس کر کے ان کے عہدوں سے ہٹا دیا ہے۔ اور نئے عہدیداروں کے نام چند نامعلوم وجوہات کی بنا پر رجسٹرار کے دفتر میں درج نہیں کئے گئے ہیں۔ اور اس طرح انکی نمائندہ حیثیت معرض بحث میں ہے۔

اسٹیٹ بنک آف انڈیا ایمپلائز یونین کے مطالبات

اسٹیٹ بنک آف انڈیا ایمپلائز یونین کے جنرل سیکریٹری اکرام حسین اعظمی صاحب نے نمائندہ منشور کو ایک ملاقات میں بتایا کہ انکی یونین کے جلسۂ عام منعقدہ ۲۳ر دسمبر ۶۴ء میں منظور شدہ قرارداد کے مطابق چارٹر آف ڈیمانڈ انتظامیہ کو پیش کر دیا گیا ہے جو حسب ذیل، مطالبات پر مشتمل ہے۔

۱:۔ منہگائی کے بھتہ کو بنیادی تنخواہ میں شامل کیا جائے اور اسکو تمام مقاصد کے لئے بنیادی تنخواہ تصور کیا جائے

۲:۔ ملازمین کے زیر تعلیم بچوں کو ۲۰ روپے ماہانہ فی بچہ کے حساب سے ساٹھ روپے تک تعلیمی فنڈ دیا جائے۔

۳:۔ آمدنی ٹیکس ملازمین کے بجائے بنک خود ادا کرے۔ اعظمی صاحب نے بتایا کہ ملک کا سب سے بڑا آجر یعنی حکومت مغربی پاکستان نے کافی عرصہ قبل اپنے ملازمین کی تنخواہوں میں منہگائی کے بھتہ کو شامل کر چکا ہے اس کے علاوہ بنک دولت پاکستان جو ملک کا مرکزی بنک ہے اس نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ ہندوستان کے تمام بنکوں بشمول اسٹیٹ بنک آف انڈیا میں بھی یہ اقدام کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ اعظمی صاحب نے یہ بھی بتایا کہ یونین کی مسلسل یاددہانی کے باوجود انتظامیہ نے گزشتہ سال کے معاہدے کی کئی اہم دفعات مثلاً مکان کی تعمیر کے لئے قرضہ وغیرہ کی شرائط ابھی تک پوری نہیں کی ہیں اور ان کو پورا کرنے میں انتظامیہ مسلسل لیت و لعل سے کام لیتی رہی ہے اس طرح یہ مسئلہ حل ہونے کے بجائے روز بروز پیچیدگی اختیار کرتا جا رہا ہے۔

نمائندہ منشور کے اس سوال پر کہ اس سلسلہ میں آپ کی فیڈریشن کا کیا رویہ ہے۔ اعظمی صاحب نے بتایا کہ، ہم فیڈریشن کو تمام امور سے مطلع کر چکے ہیں لیکن ابھی تک ذمہ دار عہدیداروں کی طرف سے اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا ہے۔

لانڈھی انڈسٹریل ایریا کے مزدور ہر قسم کی بنیادی اور قانونی سہولتوں سے محروم کر دیئے گئے۔!

پاکٹ یونینوں کے جال نے آزاد مزدور تحریک کو معطل کر دیا ہے۔ ۱۹۶۳ء سے اب تک کوئی معاہدہ نہیں ہو سکا

محکمہ لیبر کی معنی خیز ـــ خاموشی

لانڈھی انڈسٹریل ایریا کے مزدور آجکل بے پناہ کشمکش کا شکار ہیں۔ ایک طرف انکی آزاد مزدور تحریک کے پلیٹ فارم سے دس سالہ جدوجہد ہے۔ جس میں انھوں نے بے مثال قربانیوں کے بعد کافی کچھ حاصل کیا ہے تو دوسری طرف ٹیکسٹائل کے صنعت کاروں کی پروردہ پاکٹ یونینیں ہیں جو صنعت کاروں کے اشاروں پر مزدوروں کے مطالبات اور ان کی آزاد یونینوں کے راستے میں سدِ راہ ہیں۔ یہ حقیقت بڑی بھیانک ہے کہ ۵۲ء سے اب تک ٹیکسٹائل کے مزدوروں کی تنخواہوں میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ ۶۳ء سے لے کر اب تک لانڈھی کے مزدوروں کی بے انتہا کوششوں کے باوجود مالکان سے کوئی معاہدہ نہیں ہو سکا۔ تقریباً ہر فیکٹری یا مل سے آزاد یونینوں کے تمام عہدیداران کو برطرف کر دیا گیا ہے۔ مزدوروں کے مطالبات پر جو بھی ہڑتال نوٹس دیا گیا وہ محکمہ محنت میں فائل کر دیا گیا۔ جہاں کہیں بھی نئی یونینیں بنائی گئیں وہاں سے تمام عہدیداروں کو برطرف کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں ٹرسٹ سرامک کی مثال بھی دیجا سکتی ہے۔ اور اگر کہیں یونین بنی بھی ہے تو ایک ایک سال تک انکی یونین رجسٹر نہیں کی جاتی۔ مزدور نمائندوں کو خریدنے، ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ معاشرتی حالت بھی افسوسناک حد تک خراب ہے۔ پورے ایریے میں کوئی ہسپتال نہیں۔ کوئی اسکول نہیں۔ کوئی زچہ خانہ نہیں۔ کھیل کے میدان وغیرہ کا تو ذکر ہی کیا۔ نیز لانڈھی انڈسٹریل کے اندر مزدور جس غلیظ اور تنگ و تاریک جھونپڑیوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں وہ بھی صنعت کاروں کی خود غرضی بے رحمی اور حکومت کی چشم پوشی کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ اس سلسلے میں لانڈھی انڈسٹریل کے ایک مشہور مزدور لیڈر کا یہ قول بنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ صنعت کار اور حکومت دونوں مزدوروں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں اور ان کا کوئی مستقبل نہیں۔ بیانات اور وعدوں پر یہ لوگ جانوروں سے بدتر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اب تو آتش زندگی چوری اور دیگر قسم کے جرائم کی رفتار بھی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ہر ہوشمند اور درد مند دل میں لانڈھی کے مزدوروں کی یہ زبوں حالی دیکھ کر یہ سوال شدت کے ساتھ ابھرتا ہے کہ دیکھئے کب تک ابھی یہ حالت برقرار رہتی ہے۔؟؟

پریمئر تمباکو کمپنی

موجودہ بحران کا پس منظر

پریمئر ٹوبیکو ایمپلائز یونین اپریل ۵۸ء میں ٹریڈ یونین ایکٹ کے تحت قائم ہوئی۔ منتظمین سے ہمارے تعلقات مثالی حد تک خوشگوار رہے۔ ہمارے مزدوروں نے کمپنی کو ترقی کی منزلوں تک پہنچانے کے لئے بڑے خراب حالات میں بہترین کارکردگی اور تعاون کا مظاہرہ کیا۔ آہستہ آہستہ حالات تبدیل ہوتے گئے نئی فیکٹری کے قیام کے بعد کمپنی میں چند ایسے افسران ملازم ہوئے جنھوں نے ذاتی اغراض اور جھوٹی وفاداری کے اظہار کے لئے منتظمین کو اس امر پر آمادہ کر لیا کہ ایک نئی پاکٹ یونین بنائی جائے جسکا سہارا لے کر مزدوروں کی پر امن اور قانونی جدوجہد کو ناکام بنا کر انھیں حقوق سے محروم رکھا جائے چند مخصوص مزدوروں کی سرپرستی شروع کی گئی اور اس کے ذریعے بےجا سختیاں۔ غیر مناسب رویہ اور ناشائستہ حرکات شروع کرائی گئیں۔ جب دس پندرہ مزدوروں نے مل کر کمپنی کے پٹھو مزدوروں میں سے ایک مزدور کی اشتعال انگیز باتوں کے خلاف کمپنی کو تحریری شکایات پیش کیں تو کمپنی کے ان افسران کو جو مزدوروں کی حمایت کو ہر جائز و ناجائز طریقہ سے ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس بات کا موقع مل گیا کہ امن کا نام لے کر مزدور نمائندوں کے خلاف کراچی کی انتظامیہ کی ہمدردی حاصل کر سکیں مزدوروں کی درخواست پر مناسب کارروائی کے بجائے پولس میں اس امر کی رپورٹ درج کرادی کہ مزدوروں میں لڑائی جھگڑے کا ڈر ہے۔ یہ بات بے حد اہم ہے۔ کہ بعد میں آپس کی بدامنی کے بجائے عدالت کے روبرو افسران نے بیان دیتے ہوئے یہ الزام عاید کیا کہ انھیں دھمکیاں دی گئی ہیں اور مزدوروں سے انھیں خطرہ ہے۔

اس کے باوجود کہ موجودہ قوانین کے تحت مالکان کو بے حد قانونی اختیارات حاص[illegible] لیکن چونکہ مالکان ان قوانین کے تحت کارروائی کے بعد نہ تو مزدوروں میں بڑے پیمانے پر خوف و ہراس پھیلا سکتے تھے اور نہ اتنی آسانی کے ساتھ تمام مزدوروں کو ملازمت سے برطرف کر سکتے تھے۔ اس لئے انھوں نے مناسب سمجھا کہ امن کا نام لے کر جان و مال کے خطرے کا بہانہ بنا کر تمام سرگرم کارکنوں سے نجات حاصل کر لی جائے۔ عدالت نے مزدوروں سے ایک سال کے لئے نیک چلنی کی ضمانت طلب کی اور مالکوں نے تمام مزدوروں کو ملازمت سے نکال دیا۔ خوف، دہشت، گرفتاری، ضمانت لالچ، ترقی اور دوسرے ذرائع سے پاکٹ یونین کے لئے راہ ہموار کی گئی۔

منتظمین نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ خاموشی کے ساتھ ایک لمبے عرصہ کیلئے پاکٹ یونین کے ذریعہ معاہدہ کر لیا جائے تاکہ خوف و ڈر کے ماحول سے آزاد ہونے کے بعد کہیں مزدوروں میں مضبوط اتحاد پیدا نہ ہو جائے اور اپنے حق کے لئے قانونی جدوجہد پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ اس کے باوجود کہ مزدوروں اور مالکوں کے درمیان ۱۱؍اکتوبر ۶۴ء تک کے لئے معاہدہ موجود تھا۔ مدت ختم ہونے سے پہلے ہی یعنی ۱۱؍فروری ۶۴ء کو کمپنی یونین کے ذریعے ۶۷ء تک کے لئے ایک نیا معاہدہ کر لیا گیا۔ جیسے ہی مزدوروں کو یہ خبر ملی انھوں نے ۲۲؍فروری ۶۴ء کو مصالحتی افسر صاحب کے پاس ایک تحریری درخواست پیش کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ دھوکے سے کیا ہوا معاہدہ ختم کیا جائے اور کمپنی یونین کے بجائے مزدوروں کی یونین سے معاہدہ کیا جائے۔ ۴؍مارچ ۶۴ء کو پریمئر ٹوبیکو کمپنی ایمپلائز یونین نے ہڑتال نوٹس جاری کیا مصالحتی افسر صاحب کی کوششوں سے ایک لمبے عرصہ کی بات چیت کے بعد یکم جولائی ۶۴ء کو عام مزدوروں کی منظوری کے بعد ایک نیا معاہدہ کیا گیا۔ یہ بھی طے کیا گیا۔ کہ ایک ماہ کے اندر اندر دونوں یونینز ایک ہو جائیں گی اور عہدیداران کا نیا انتخاب عمل میں لایا جائے گا۔ کمپنی یونین کے عہدیدار معاہدہ پر دستخط کرنے کے باوجود افسران کے اشاروں پر چلتے رہے۔ انھیں یقین تھا کہ مزدوروں کی بھاری اکثریت ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے خلاف ہے اور مجوزہ الیکشن میں انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ ہم نے مصالحتی افسر صاحب کو زبانی اور تحریری شکائتیں پیش کیں اور ایک نیا معاہدہ عمل میں لایا گیا۔ جسکے تحت یہ طے کیا گیا کہ:۔

۱:۔ ۳۱؍جولائی ۶۴ء کو لیبر ویلفیئر سینٹر شیر کا کالونی میں الیکشن ہوگا۔

۲:۔ دونوں یونینز اپنے ممبروں کی فہرست مصالحتی افسر کے پاس داخل کرینگی۔

۳:۔ مصالحتی افسر صاحب اپنا ایک نمائندہ الیکشن کی کارروائیوں کو دیکھنے اور نگرانی کرنے کے لئے نامزد کریں گے۔

کمپنی یونین نے اس معاہدہ کی بھی خلاف ورزی کی۔ چونکہ اس درمیان کمپنی نے ان افسران کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا تھا۔ جنھوں نے کمپنی یونین کی داغ بیل ڈالی تھی اور جنکے پاس یونین کے تمام کاغذات تھے۔ اس لئے کمپنی یونین کے نام نہاد عہدیداران مقررہ وقت پر ممبروں کی فہرست داخل نہیں کر سکے۔

اس کے باوجود کہ ۳۱ر جولائی ۶۴ء کے الیکشن میں کمپنی یونین کا کوئی نمائندہ منتخب نہیں ہو سکا تھا ہم نے مزدور اتحاد کی خاطر منتخب شدہ عہدیداروں میں سے استعفےٰ دلا کر کمپنی یونین کے صدر، جنرل سیکریٹری، جوائنٹ سیکریٹری، پبلیسٹی سیکریٹری کو عہدیداروں کی حیثیت سے نامزد کیا۔ ہم نے یہ کارروائی بے حد خلوص کے ساتھ مزدور اتحاد، صنعتی امن اور خوشگوار باہمی تعلقات کی وجہ سے کی تھی۔ لیکن آنے والے واقعات سے منتظمین اور کمپنی یونین کے عہدیداروں کی نیت اور خلوص ظاہر ہو جائے گا۔ کمپنی یونین کے عہدیداروں نے ایک طرف انتظامیہ کمیٹی میں بیٹھ کر کران وعدہ خلافیوں کا ذکر کیا جو افسران نے کئے تھے۔ ذاتی ترقی کے مطالبات پیش کئے۔ اور دوسری طرف افسران و مالکان سے برابر سازشیں کرتے رہے۔ یہی حال منتظمین کا تھا۔ معاہدہ کی دفعات پر عمل کرنے سے گریز کرتے اور مزدوروں میں مایوسی۔ انتشار اور اشتعال پھیلاتے رہے۔ ہم نے ہمیشہ باہمی گفت وشنید اور مصالحتی افسر صاحب کے توسط سے پرامن ماحول میں مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی۔

اس درمیان بے شمار مشترکہ میٹنگیں ہوئیں۔ خط وکتابت ہوئی۔ لیکن منتظمین کے رویے کی وجہ سے کوئی بھی مسئلہ آسانی کے ساتھ حل نہ ہو سکا۔ ۱۵ر اگست ۶۴ء کو یونین نے ایک خط کے ذریعہ معاہدہ پر عمل درآمد کرانے کے لئے افسران کی توجہ مبذول کرائی۔ پہلے میٹنگس فیکٹری میں ہوتی رہیں۔ پھر ہیڈ آفس منتقل ہو گئیں۔ سیکڑوں مزدوروں نے کمپنی کو سالانہ ترقی۔ بونس۔ غلط عہدہ۔ کم تنخواہ۔ یونیفارم نہ ملنے کی شکایات پیش کیں۔ وعدہ کے مطابق معاہدہ کے تحت بقایاجات وقت پر ادا نہیں کئے گئے۔ کمپنی یونین کے عہدیدار کو اس بات کی اجازت تھی کہ وہ مزدوروں میں یہ پروپیگنڈہ کریں کہ موجودہ عہدیدار بے کار ہیں۔ معاہدہ کے باوجود مزدوروں کو کچھ نہیں دلا سکے جنھیں تحریریں لایا جا چکا ہے ان خراب حالات میں بھی ہم نے نظم وضبط قائم رکھا۔ مجبور ہو کر ۴ر اکتوبر ۶۴ء کو مصالحتی افسر صاحب کی توجہ معاہدہ کی خلاف ورزی و دیگر مسائل کی طرف مبذول کرائی۔ منتظمین نے ۱۲ر اکتوبر ۶۴ء کو جواب دیا کہ مزدوروں کی تنخواہیں درست ہیں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ بونس ادا کیا جا چکا ہے۔ مزدوروں کے عہدے اور تنخواہیں درست ہیں۔ یونیفارم آرڈر دیا جا چکا ہے۔ مل جائے گا۔ ۳۰ر اکتوبر ۶۴ء اور بعد کی تاریخوں میں مصالحتی افسر صاحب کے پاس مصالحتی کارروائی ہوتی رہی اور بالآخر دس دسمبر ۶۴ء کو ایک دوسرے معاہدہ کے تحت سالانہ ترقی، تنخواہوں کی درستگی، بونس، یونیفارم وغیرہ کے مسائل پر ایک بار پھر صلح ہوئی

اس فیصلے کے بعد منتظمین نے اپنی پالیسی تبدیل کرنا شروع کر دی۔ وہ موجودہ عہدے داروں کو ضدی، ہٹ دھرم اور لڑاکا سمجھتے ہیں۔ پالیسی کی تبدیلی میں ان خود غرض لالچی افراد کا بھی حصہ ہے جو مزدوروں کے نام پر مالکان سے سودا بازی کرنا چاہتے ہیں منتظمین نے ایک نئے لیبر آفیسر صاحب کو جو کبھی مزدوروں کے لیڈر رہ چکے تھے اور جنھوں نے مالکان کی مزدور دشمنی، ہٹ دھرمی اور یونین کے کاموں میں بے جا مداخلت پر ہمیشہ غم وغصہ کا اظہار کیا تھا ملازم رکھا ہے۔ جو اب پرانے افسر (پرسنل) کی جگہ پہنچ گئے ہیں اور وہی پرانی تاریخ دہرا رہے ہیں جسکا ایک تلخ تجربہ مزدور اور منتظمین کر چکے ہیں۔ انھوں نے رفتہ رفتہ حالات کار میں تبدیلیاں شروع کیں۔ دوران کار زخمی ہو کر غیر حاضر رہنے والے مزدوروں کو ہمیشہ سے آمدورفت اور علاج معالجہ اور اگر معاوضہ کا حق دار ہے تو معاوضہ پوری تنخواہ کے ساتھ ملتا چلا آیا ہے۔ جناب موصوف زبردستی اس رائج شدہ دستور کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ مزید یہ کہ بیماری کی رخصت کے سلسلے میں معاہدہ کی دفعہ کا غلط مفہوم نکال کر ایسے مزدوروں کو نقصان پہنچا رہے ہیں جنھوں نے سال گزشتہ پوری رخصت بیماری نہیں لی تھی۔ صدر یونین کی ملک سے تھوڑے عرصے کی غیر حاضری میں جان بوجھ کر جو حالات پیدا کئے گئے ہیں۔ جنرل سیکریٹری اور جوائنٹ سیکریٹری کے معطلی کے احکامات کو تحریری طور پر واپس لینے کے بعد جب وہ دوبارہ عہدیدار چن لئے گئے تو پھر دوبارہ انھیں معطل کیا گیا۔ کمپنی کو یقین تھا کہ اس کی مداخلت اور امداد کی وجہ سے موجودہ جنرل سیکریٹری دوسری بار منتخب نہیں ہو سکیں گے انھیں اس بات کا یقین انکی وفاداری کا اظہار کرنے والے کمپنی یونین کے سابقہ عہدیداروں نے بھی دلایا تھا۔

نقص امن کے نام پر جس طرح جھوٹی رپورٹیں درج کرائی جا رہی ہیں یہ حالات اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ کمپنی کسی حالت میں ایک مضبوط۔ جمہوری اور موثر ٹریڈ یونین کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ یونین کے عہدیداروں کو معطل کرنے کے بعد کمپنی جس طرح کمپنی یونین کے پرانے خدمت گاروں اور نئے پیدا کئے ہوئے خوشامد پسندوں اور ذاتی ترقی چاہنے والوں کی مدد سے دوران کار فیکٹری کی حدود میں تحریری اور زبانی پروپیگنڈہ کر رہی ہے کل جب وہ دوبارہ تمام مزدور متحد ہو جائیں گے کمپنی ہم سے یہ شکایت کرے گی کہ مزدور کام کے دوران یونین کا کام کیوں کرتے ہیں۔ آج بذات خود ڈسپلن کی خلاف ورزی کرا رہے ہیں۔ وقت خراب کرنے والوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ درخواست پر دستخط کرانے۔ لیبر ڈپارٹمنٹ آنے جانے کے لئے کسی رخصت کی ضرورت نہیں۔ کل جب ہم یہ کہیں گے کہ یہ تو رائج شدہ دستور بن چکا ہے تو ہمیں بتایا جائے گا کہ یہ ایک صنعتی ادارہ ہے۔ ہمیں تجارت میں ایک بڑی کمپنی سے مقابلہ کرنا ہے ہم وقت ضائع کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے منتظمین کا مفاد اس امر میں ہے کہ وہ یونین کے معاملات میں مداخلت کرنا چھوڑ دیں۔ یہ مزدوروں کی مرضی پر ہے کہ وہ کیسے عہدیدار چنیں ممکن ہے کہ منتظمین کی مداخلت اثر ورسوخ۔ لالچ کی وجہ سے آج ہم میں تھوڑی بہت کمزوری پیدا ہو جائے۔ لیکن یہ کمزوری کمپنی کے لئے بہت نقصان دہ، ثابت ہوگی۔ مزدوروں کو کوئی بہت دنوں تک دھوکہ نہیں دے سکتا۔ یہ بات گزشتہ تجربات کی روشنی میں بالکل ثابت ہو چکی ہے۔ موجودہ عہدیداروں میں سے جو لوگ بھی خود غرض ہونگے انکی خود غرضی زیادہ دنوں تک چھپ نہیں سکے گی اور اسی طرح جو آج انھیں فنڈ، دو ماہ کا بونس اور ترقی کی بات کر رہے ہیں۔ کل اگر وہ کچھ دلا نہ سکے تو منہ دکھانے کے قابل نہ ہوں گے۔ اور اگر دلا پائیں گے تو مزدور زیادہ حاصل کرنے کی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ اپنی جدوجہد اور اپنے چنے ہوئے عہدیداروں کے توسط سے جو کچھ حق کے طور پر ملتا ہے اسکی قدر وقیمت ہوتی ہے۔ اور جو کچھ پھوٹ ڈالنے تنظیم برباد کرنے کی نیت سے دیا جاتا ہے وہ صنعتی بدامنی اور خراب تعلقات ہی پیدا کر سکتا ہے۔

ہم مالکان سے ایک بار پھر اس مطالبے کو دہرائیں گے کہ وہ مزدوروں کے اندرونی مسائل میں دخل انداز نہ ہوں۔ اپنی مرضی کے عہدیدار منتخب کروانے کی خواہش ترک کر کے کمپنی یونین بنانے کی جدوجہد پر فضول رقم صرف نہ کریں۔

ساتھ ہی ساتھ ہم تمام مزدوروں سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ وہ اشتعال کے باوجود پرامن رہیں۔ ہم نے پہلے بھی ان حالات کا مقابلہ کیا اور ہم اب بھی موجودہ حالات پر قابو پالیں گے۔ جو لوگ صوبہ اور زبان کی بنیاد پر آپ لوگوں میں اختلافات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ نہ صرف تمام مزدوروں کے دشمن ہیں بلکہ اس قوم اور ملک کے بھی دشمن ہیں۔ مزدور کے رشتہ اور پاکستان کے رشتہ سے ہم سب بھائی بھائی ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے سے کوئی جدا نہیں کر سکتا۔

پریمیئر تمباکو کمپنی کے گرفتار شدگان کی رہائی کا مطالبہ

کراچی (نمائندہ منشور) پریمیئر تمباکو کمپنی کی بگڑی ہوئی صورت حال پر غور کرنے کیلئے ۲۳ر جون ۶۵ء کو شام ساڑھے پانچ بجے کراچی کی مختلف ٹریڈ یونینوں کا ایک جلسہ منگھوپیر روڈ میں منعقد ہوا جسکی صدارت پی آئی اے یونین کے نائب صدر جناب محمد عالم نے کی پریمیئر تمباکو کمپنی کی یونین اور مالکان کے درمیان مطالبات پر کچھ عرصہ سے کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ جس کے نتیجے میں وہاں کے مالکان کے اشارہ پر کمپنی کے ۸ بے گناہ ملازمین کو گرفتار کیا گیا ہے جلسے کے مقررین نے تمباکو کمپنی کے مالکان کے رویے پر شدید نکتہ چینی کی۔ جلسے نے کراچی کی انتظامیہ سے مطالبہ کیا کہ کمپنی کے گرفتار شدہ ملازمین کو فوری طور پر رہا کیا جائے۔ کیونکہ انھیں بغیر کسی قصور کے جبکہ مطالبات پر گفت وشنید جاری تھی گرفتار کیا گیا ہے۔ جلسے سے مندرجہ ذیل افراد نے خطاب کیا۔

جناب نبی احمد - جناب نایاب نقوی - جناب صغیر احمد - جناب محمد یامین۔

جناب شجاول خاں -

اس جلسے میں مندرجہ ذیل فیصلے بھی کئے گئے -

۱:- پریمیئر تمباکو کمپنی کے گیٹ پر مٹنگ کی جائے جس میں تمام یونینوں کے عہدیداران شریک ہوں -

۲:- شہر کے مختلف علاقوں میں پریمیئر تمباکو کمپنی یونین کے حق میں مظاہرے کئے جائیں -

۳:- تمام یونینیں پریمیئر تمباکو کمپنی کے ملازمین سے ہمدردی کا اظہار کریں -

اس جلسے نے اتفاق رائے سے مندرجہ ذیل قرارداد بھی پاس کی -

قرارداد:-

کراچی کی مختلف ٹریڈ یونینوں کا یہ اجلاس اس امر پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ کراچی میں ٹریڈ یونین کارکنوں کے خلاف مالکان اور منتظمین کے ایما پر پولس اور کراچی کی انتظامیہ کی مداخلت اور اس کے نتیجے میں قانون اور امن کے تحفظ کے نام پر مزدور کارکنوں سے انتقامی کارروائی کے طور پر یونینوں کے نمائندوں کی گرفتاری کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں - جسکا تازہ اور انتہائی گھناؤنا ارتکاب پریمیئر تمباکو کمپنی کے ۸ مزدوروں کے خلاف مقدمات اور گرفتاری ہے -

اس جلسے کی رائے میں پولس اور کراچی کی انتظامیہ کا یہ اقدام کراچی کے صنعتی امن کے لئے کسی وقت بھی خطرے کا باعث بن سکتا ہے - کیوں کہ یہ کارروائی اس وقت عمل میں لائی گئی ہے جب کہ پریمیئر تمباکو کمپنی کے منتظمین نے مزدوروں کے اتحاد کو توڑنے اور انھیں اپنے حالات کا بہتر بنانے کی جائز جدوجہد سے روکنے کی سازش کی ہے کیوں کہ وہ ہر حربے - حتیٰ کہ پاکٹ یونین بنا کر اور اسکی کھلم کھلا سرپرستی کر کے بھی ناکام ہو چکے ہیں -

یہ اجلاس پریمیئر تمباکو کمپنی کے منتظمین کے اس رویے کی سخت مذمت کرتا ہے جو اس نے پچھلے کافی عرصہ سے مزدوروں اور انکی یونین کے کارکنوں کے خلاف مختلف طریقوں سے جاری رکھا ہے جس میں کارکنوں کے خلاف انتقامی کارروائی، عام مزدوروں کو تشدد اور دھمکیاں، پاکٹ یونین کی تشکیل اور سرپرستی اور اسی پاکٹ یونین سے جسے مزدوروں کی ایک معمولی تعداد کی بھی نمائندگی حاصل نہ تھی ایک طویل عرصہ کے لئے معاہدہ شامل ہے -

یہ اجلاس پریمیئر تمباکو کمپنی سے مطالبہ کرتا ہے کہ :-

۱:- پریمیئر تمباکو کمپنی کے مزدوروں کے خلاف انتقامی کارروائی بند کی جائے

۲:- یونین کے اندرونی معاملات میں مداخلت بند کی جائے -

۳:- یونین اور منتظمین کے مابین اختلافی مسائل پولس کی مداخلت کے ذریعہ مزدوروں کو خوفزدہ کرنے کی بجائے باہمی گفت و شنید سے طے کئے جائیں -

یہ اجلاس کراچی کی انتظامیہ سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ :-

۱:- کمپنی کے منتظمین کے ایما پر مزدور کارکنوں کو خوف و ہراس میں مبتلا کرنے اور مقدمات قائم کرنے کا سلسلہ بند کیا جائے -

۲:- جو مقدمات کارکنوں کے خلاف قائم کئے گئے ہیں واپس لئے جائیں -

مزدور نمائندوں کا یہ اجلاس پریمیئر تمباکو کمپنی کے باشعور منتظمین اور جیالے مزدوروں سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور انکی جدوجہد کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے یقین دلاتا ہے کہ وہ اس جدوجہد میں کراچی کے مزدوروں کو اپنے ساتھ پائیں گے -

یہ اجلاس تین افراد یعنی جناب نبی احمد جناب محمد عالم اور جناب نایاب نقوی پر مشتمل ایک وفد تشکیل دیتا ہے تاکہ وہ کراچی کی انتظامیہ کو گفت و شنید کے ذریعہ، مزدوروں کے تاثرات سے آگاہ کرے اور یہ مطالبہ کرے کہ پریمیئر تمباکو کمپنی کے مزدوروں کو رہا کیا جائے - ان پر سے مقدمات واپس لئے جائیں - اور ٹریڈ یونین سرگرمیوں میں پولیس کی مداخلت بند کیجائے -

"بابو لوگ" سدا مقروض

کراچی (نمائندہ منشور) کسان کے متعلق تو اس حقیقت سے کہ فاقوں میں جنم لیتا ہے اور قرضوں کے بوجھ سے دب کر مر جاتا ہے - لیکن ایک نئی صداقت کا انکشاف ہوا ہے کہ کراچی کے بابو لوگ بھی سدا مقروض رہتے ہیں -

خوردہ قیمتوں کے اشاریے کے مطابق ایک سرکاری ملازم بابو ہر ماہ اٹھتر روپے اور تجارتی اداروں کے بابو چالیس روپے ماہانہ کی شرح سے مقروض ہوتے ہیں - یہ اعداد و شمار مرکزی محکمہ اعداد و شمار کی جانب سے حال ہی میں جاری کئے گئے ہیں -

تخمینہ لگایا گیا ہے کہ کراچی کے سرکاری ملازموں کی اوسط ماہانہ آمدنی دو سو روپے چالیس پیسے اور اوسط خرچ دو سو اسی روپے سات پیسے ہے - جبکہ غیر سرکاری ملازموں کی اوسط ماہانہ آمدنی دو سو اٹھانوے روپے اٹھاسی پیسے اور خرچ تین سو تیئیس روپے چھتیس پیسے ہے -

آمد و خرچ کا یہ تخمینہ ان خاندانوں کی بنیاد پر لگایا گیا ہے جنکے سربراہ مسلسل طور پر سرکاری نیم سرکاری اداروں میں بحیثیت کلرک، اسٹینو گرافر، اکاؤنٹس کلرک کیشیئر اور اسسٹنٹ کام کرتے ہیں اور جنکی بنیادی تنخواہ ساٹھ روپے اور چار سو روپے کے درمیان ہے اور غیر سرکاری اداروں میں کام کرنے والے سپروائزروں سے نچلے درجے کے ملازم مثلاً کلرک، اسٹینو گرافر، سیلزمین وغیرہ جنکی مجموعی تنخواہ ایک سو اور پانچ سو کے درمیان ہے - تخمینہ مرتب کرنے میں غیر شادی شدہ ملازمین اور خاندان سے علیحدہ رہنے والے ملازمین کو شامل نہیں کیا گیا ہے -

اعداد و شمار کے مطابق سرکاری ملازمین میں ایک خاندان اوسطاً چھ افراد پر مشتمل ہے -

اخراجات کا تخمینہ اشیا صرف کی بنیاد پر لگایا گیا ہے - جنکی تعداد ایک سو بیس ہے - ان میں اکتالیس خوراک سے متعلق - تیئیس کپڑے جوتے وغیرہ اور چھ رہائش اور متعلقہ اخراجات اور ۴۵ متفرق مدیں ہیں - یہ تخمینہ ۱۹۶۱ء کو بنیاد مان کر مرتب کیا گیا ہے اپریل ۶۴ء میں اپریل ۶۱ء کے مقابلے میں خوراک کی قیمتوں میں سترہ فیصد پوشاک وغیرہ کی قیمتوں میں ۴ء۲۵ - رہائش اور متعلقہ اخراجات میں ۹ء۱۲ فیصد اضافہ ہوا ہے -

اہلکاران چونگی کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا جا رہا ہے

بلدیاتی اداروں کے ظالمانہ رویّے پر میونسپل ایمپلائز یونین رجسٹرڈ بنوں کے اجلاس عام میں غم و غصہ کا اظہار

بنوں (نمائندہ خصوصی) میونسپل ایمپلائز یونین رجسٹرڈ بنوں کا ایک اجلاس عام زیر صدارت جناب سردار علی رطل صدر یونین ہٰذا دفتر ملازمین لوکل باڈیز گذشتہ روز دفتر یونین میں ۵ بجے شام منعقد ہوا۔ اجلاس کی کارروائی تلاوت کلام پاک سے شروع ہوئی۔ اس کے بعد یونین کے جنرل سیکریٹری صاحب زمان نے گزشتہ کارروائی پیش کی جسکی توثیق کی گئی۔

صدر اجلاس رطل صاحب نے اس اجلاس کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم سے وہ جانور بھی اچھے ہیں جن سے مالکان ایک مقررہ وقت میں کام بھی لیتے ہیں اور ان کی صحت و آرام کا خیال بھی کرتے ہیں۔ لیکن بلدیاتی اداروں میں ایک اہلکار چونگی جب ان جانوروں کو دیکھتا ہے تو اسے اپنی زندگی جانوروں سے بھی بدتر نظر آنے لگتی ہے۔ اس لئے کہ ایک عظیم اسلامی مملکت میں آزاد ہوتے ہوئے بھی اہلکار چونگی اوقات کار کی مسلسل قید و بند (ڈیوٹی) سے ابھی تک آزاد نہیں ہوا ہے جو بلدیہ کے مالی نظام کی تقویت کے لئے دن رات چونگی میں ایک ایک روپیہ محصول کا وصول کرتا ہے۔ لیکن اس مصروفیت میں اہلکار کو یہ حق بھی حاصل نہیں کہ وہ اپنے گھر میں بیمار بچے کو دیکھنے کے لئے جا سکے باقی آرام و سکون تو درکنار۔

اس وقت ملک میں سرکاری و نیم سرکاری محکمہ جات سے لے کر بازاریں دوکاندار کے ایک ملازم تک کے لئے اوقات کار کا تعین موجود ہے اور مختلف قوانین کے ذریعہ محکمہ کا کوئی افسر یا مالک اپنے ملازم سے حکومت کی مقررہ اوقات سے زائد ڈیوٹی نہیں لے سکتا۔ یا پھر زیادہ ڈیوٹی کی صورت میں اوور ٹائم دیا جاتا ہے۔ لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ صوبائی لوکل گورنمنٹ نے ابھی تک ۲۴ گھنٹے انسانیت سوز ڈیوٹی کے متعلق اہلکاران چونگی کے لئے کوئی سہولت یا رعایت نہیں دی۔ بلکہ یکم اگست ۶۴ء سے جو نئے قوانین چونگی نافذ العمل قرار دیئے ہیں اس میں دفعہ ۱۲ کی رو سے محصول چونگیاں ۲۴ گھنٹے کھلے رکھنے کے لئے کہا گیا ہے۔ آپ نے کہا۔ کہ افسوس یہ قانون بنانے والے ایک ہفتہ چونگی میں بیٹھ کر ڈیوٹی دیتے تب انھیں یہ احساس ہو جاتا کہ چونگی والے بھی آخر کار انھیں کی طرح انسان ہیں۔ آپ نے کہا کہ مذکورہ دفعہ کے تحت بلدیاتی اداروں کے منتظمین (خود مختار حکمران) اہلکاران چونگی سے دن رات ڈیوٹی دینے کے لئے زور دے رہے ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ مذکورہ دفعہ میں اہلکاران چونگی کی ڈیوٹی کے لئے اوقات کار کا تعین ہوتا۔ تاکہ بلدیاتی اداروں کے خود مختار حکمران منتظمین انسان ہوتے ہوئے اہلکاران چونگی سے انسانیت سوز ڈیوٹی نہ لیتے۔

آپ نے اسی سلسلے میں بلدیہ بنوں۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان اور ٹاون کمیٹی مانسہرہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ڈیوٹی تو رہی درکنار۔ بلکہ نئے قوانین چونگی کے نفاذ کے بعد مذکورہ بلدیاتی اداروں نے عملہ چونگی میں بچت اور آمدنی میں اضافہ کے نام پر چھانٹی شروع کر دی ہے۔ جس سے اہلکاران کی ڈیوٹی میں ناقابل برداشت بوجھ کا اضافہ ہوا ہے کیونکہ اسوقت مغربی پاکستان کی بلدیاتی اداروں میں جہاں بھی چونگی کا عملہ ہے۔ اس میں شدید کمی محسوس کی جا رہی ہے۔ لیکن اس تخفیف سے باقی ماندہ اسٹاف شدید مشکلات میں مبتلا ہے۔ آپ نے کہا کہ بلدیاتی اداروں کو اگر واقعی اپنی بلدیہ میں آمدنی کا اضافہ درکار ہے تو چونگی برانچ کے علاوہ بلدیاتی اداروں کے دوسرے شعبہ جات میں ایسا غیر ضروری اسٹاف موجود ہے۔ جن پر سالانہ ہزاروں روپے پانی کی طرح بہائے جاتے ہیں۔ لیکن منتظمین کی توجہ اس طرف مبذول نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس قسم کی آسامیوں پر زیادہ تر ان کے عزیز و خویش و اقارب تعینات ہیں۔ جو مفت کی تنخواہیں لے رہے ہیں۔ آپ نے کہا کہ بلدیہ بنوں میں ایسی کوئی بارہ آسامیاں ہیں جن کے بغیر بلدیہ کے نظام میں کوئی فرق نہیں آتا۔ لیکن منتظمین انھیں فارغ کرنے کو تیار نہیں آپ نے کہا کہ یہ مسئلہ چونکہ شدید صورت اختیار کر چکا ہے۔ اس لئے بہتر ہو گا کہ ہم اس کے لئے ابھی سے قانونی چارہ جوئی کریں۔ اس مسئلے کے علاوہ ہمارے دوسرے اہم مطالبات بھی ہیں جو بار بار آپ کے سامنے اجلاسوں میں پیش ہوتے رہے ہیں۔ اس لئے اگر اجلاس اتفاق کرے تو ان تمام مسائل اور مطالبات کے سلسلے میں چیئرمین میونسپل کمیٹی کو چودہ یوم کا نوٹس ہڑتال دیا جائے۔ چنانچہ اجلاس نے صاحب صدر کی اس تجویز سے مکمل اتفاق کرتے ہوئے یونین ہٰذا کے جنرل سیکریٹری کو اختیار دے دیا کہ وہ ۱۷ جون ۶۵ء سے مطالبات حسب ذیل مسائل کے سلسلے میں نوٹس ہڑتال جاری کرے۔

مطالبات:-

۱:- چونگی ڈپارٹمنٹ میں غیر ضروری تخفیف کا سلسلہ فوری طور پر بند کیا جائے۔

۲:- چونگی ڈپارٹمنٹ میں میونسپل کمیٹی حیدرآباد اور لائل پور کی طرح آٹھ گھنٹے ڈیوٹی شفٹ جاری کر دیا جائے۔ تاکہ اہلکاران کو ڈیوٹی کے بعد آرام کا مناسب وقفہ مل سکے۔

۳:- گل نواب، امان اللہ، غلام اصغر۔ حمید اللہ اور محمد ایاز محرران چنگی جو غیر ضروری تخفیف کے سلسلے میں فارغ کر دیئے گئے ہیں۔ واپس ڈیوٹی پر لئے جائیں۔

۴:- ویسٹ پاکستان میونسپل کمیٹیز آکٹرائے رولز ۶۴ء کی دفعہ ۲۶ کے تحت اسٹاف چنگی کو موسم کے مطابق وردی دی جائے۔

۵:- مسٹر گلنواز خاں سینئر سینٹری انسپکٹر۔ عظیم اللہ خاں اور شیر علی خاں انسپکٹران چونگی کو ۱۴ اکتوبر ۵۵ء سے گریڈ تنخواہ کے وہ تمام بقایا جات ادا کر دیئے جائیں جسکی منظوری صوبائی محکمہ بنیادی جمہوریت و لوکل گورنمنٹ نے ۲۲ مارچ ۶۵ء کو دی ہے۔

۶:- چوکیات چونگی، رسالہ، نکلس، اور ریلوے گیٹ میں بجلی اور بجلی کے پنکھے لگائے جائیں۔

۷:- چوکیات چونگی میں کسی اہلکار کو ایک ماہ سے زائد عرصہ کے لئے ڈیوٹی پر مسلسل نہ رکھا جائے۔ کیونکہ یہ ویسٹ پاکستان میونسپل کمیٹیز آکٹرائے رولز ۶۴ء کی دفعہ ۲۷ کی خلاف ورزی ہے۔

۸:- پاس نکاس (TRANSIT PASS) کے موجودہ طریقہ کار میں پرچہ کی گمشدگی کی صورت میں محرران کو اپنی گرہ سے محصول کی رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔ لہٰذا آکٹرائے رولز ۶۴ء باب دہم دفعہ ۷۶ کی رو سے چونگی ڈپارٹمنٹ میں ٹرانزٹ ریفنڈ سسٹم (TRANSIT REFUND SYSTUM) جاری کر دیا جائے

۹:- بلدیہ کے تمام ملازمین کو دس فی صد ماہوار تنخواہ پر طبی سہولیات دی جائیں کیونکہ موجودہ طریق کار سے اکثر ملازمین طبی سہولیات سے محروم ہیں۔

لوگ کہتے ہیں

(قارئین کے خطوط)

بھوپال

"منشور" ہم سب کا ایک ہے۔ آپ کا پرچہ میرے دوست کے پاس دیکھنے کو ملا۔ پرچے کا ٹائٹل کافی دلکشی لئے ہوئے جاذب نظر تھا۔ "ٹائٹل پر جناب خالد علیگ کی نظم اپنے جاہ و جلال پر تھی، مضامین خاصے تھے۔ غزلیں و نظمیں اپنی جگہ فکر انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ دورِ جدید کی نمائندگی کر رہی تھیں۔

آپ جیسے بے باک صحافی کی ادارت میں کوئی اخبار نکلے وہ کسی تشنگی کا محتاج نہیں رہ سکتا۔ پرچے میں سیاسی، سماجی و ادبی حصّہ کافی حد تک آپکی پختہ نظری کا رہین منت ہے۔ "منشور" پابندیٔ اوقات سے جاری ہے۔ نیز منشور کا اسلوب بدستور بہتر ہے۔ کیونکہ وہ ایک تحریک کا ترجمان ہے۔

(واحد علی بانگے)

لائل پور

گرامی قدر اختر صاحب!

گل ہائے سلام و خلوص۔

ماہ جون کا شمارہ پڑھنے کا موقع ملا۔ "منشور" کی روز افزوں مقبولیت آپ کے خلوص بے کراں اور انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مضامین کی ترتیب و تدوین آپ کا اپنا حصّہ ہے۔ کتابت و طباعت آفسیٹ اور کم قیمت پر عظیم اور ضخیم، حسین و جمیل پرچہ ہے۔ اردو ادب میں انمول جاذبِ نظر تحفہ ہے۔ میری طرف سے مبارک باد قبول فرمایئے۔

نامور فنکاروں کی بلند پایہ تخلیقات جہاں سماجی زندگی اور معاشرہ کے پرخلوص نقوش اجاگر کرتی ہیں۔ وہاں وقت کی دکھتی رگوں پر فنکارانہ ضرب بھی ہیں۔ حصّہ منظومات میں نیاز حیدر۔ اختر ضیائی۔ شور صدیقی۔ محسن احسان کے علاوہ خالد علیگ کی نظم "بول ارضِ مصر" عظیم ترین تخلیق ہے۔ خالد صاحب کو میرا سلام عرض ہے۔ سید صادق حسین نقوی صاحب کا مضمون "یوم مئی" خاصا معلوماتی اور کاوش کا مظہر ہے۔ خالد حمیدی کا لکھا ہوا خاکہ "نبی احمد" عمدہ انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ اجنبی۔ ہمدردی دونوں افسانے پسند آئے۔ خبر نامہ۔ لائل پور کی ڈائری۔ یوم مئی پر جلسہ "لوگ کہتے ہیں" میں جو خط کراچی سے نیر عباس صاحب کا شائع ہوا ہے دراصل وہاں "کاتبِ تقدیر" تو نہیں کہوں گا بلکہ آپ کے کاتب نے نام غلط لکھا ہے۔ وہ "نیر عباسی" صحیح ہے۔

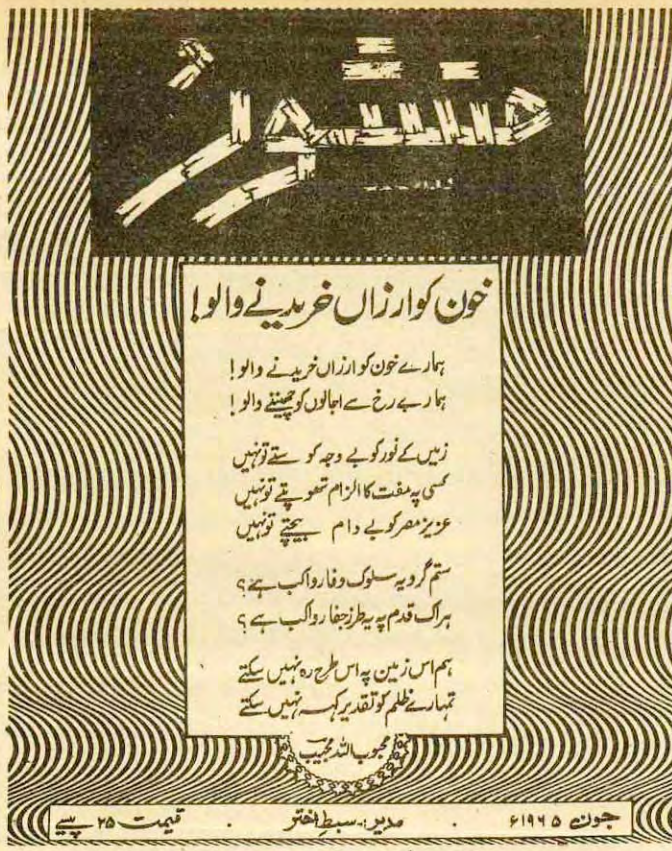
(فراز صدیقی)

کراچی

مکرمی! آداب۔

"منشور" ہر ماہ نظر سے گزرتا ہے خرید کر۔ پڑھ کر۔ ایک نئے عزم کا اعادہ کرتا ہوں۔ لیکن آج تک "منشور" کے لئے قلم کی جنبش نہ ہوئی۔ محرابِ دل کے جذبات بپھر رہے ہیں چاہتا ہوں اظہارِ دل و دماغ قلم کی جنبش سے کروں۔

وطنِ عزیز پاکستان میں شاید واحد پرچہ ہے۔ جو اسقدر بے باکی سے مزدور طبقہ کی دلی ترجمانی کر رہا ہے۔ خاص کر منشور کا آتش نوا قلم ان تمام لوگوں کی ترجمانی کر رہا ہے۔ جو



سرمایہ داری اور اجارہ داریت کے گھناونے اور مضبوط پنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور انکی دادرسی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

میری دعا ہے کہ خداوند کریم و رحیم "منشور" کو اور زیادہ ترقی و کامرانی دے اور مزدور طبقے کو اس روشن مثال سے راہ حق حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہو۔

(شیر محمد بلوچ)

خیرپور

محترمی۔ سلام مسنون!

آپ نے فرمایا کہ میں محنت کشوں کے شب و روز، تنظیمی کارروائیاں تحریر کروں۔

محترم! یہاں کے مزدوروں کو تو روٹی کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے حالات ایسے ہیں جنھیں رقمطراز کرتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہوں۔ یہاں کوئی ثقافتی، ادبی سرگرمیاں نہیں ہیں۔ مختصر حالات تحریر کر رہا ہوں۔ آپ اگر ان سے اقتباس لے لیں تو بہتر ہوگا۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کیا لکھوں۔

"خیرپور ٹیکسٹائل ملز اس سے قبل فوجی نظام کے زیر تحت چل رہا تھا۔ پھر انھوں نے حصص فروخت کئے جو لاثانی ملز لائل پور کے منیجنگ ڈائرکٹر نے خریدے اور منیجنگ ڈائرکٹر آف خیرپور ملز مقرر ہوئے۔

سب سے پہلا اقدام جو میاں بشیر احمد صاحب کا تھا۔ وہ مزدوروں کو برطرف کرنا۔ اب تک تقریباً "تین سو سے زیادہ مزدوروں، کلرکوں کو برطرف کیا ہے۔ ڈسپنسری میں نرس و ڈاکٹر کا انتظام تھا۔ وہ بھی ختم کر دیا ہے۔ علاج معالجے کے لئے صرف ایک کمپاؤنڈر رہے۔

گذشتہ چار روز قبل ۲۹ مئی کو ایک شخص کا خیرپور کراچی روڈ پر ٹرک سے حادثہ ہوا اور وہ موقعہ پر ہی ہلاک ہو گیا یہ شخص دو روز قبل مل سے نکالا گیا تھا اور فکر روزگار میں سکھر جا رہا تھا۔ عنایت اللہ نام تھا۔

حال ہی میں ورکشاپ کے محنت کشوں کو برطرف کر دیا۔ جنکی تعداد تقریباً ۳۲ تھی۔ ثقافتی پروگرام، ڈرامہ وغیرہ کے لئے کئی بار کہا۔ لیکن خرچ سے بچنے کے لئے مزدوروں کی تفریح غرق ہے۔ بقول ان کے کہ انھیں کمانا ہے۔ اگر میرے پاس کیمرہ

ہوتا تو یقیناً آپ کے پاس فوٹو بھیجتا۔ کہ جہاں یہ محنت کش مقیم ہیں ان کا رہن سہن کس نوعیت کا ہے۔ لیبر کالونی میں حدِ نگاہ تک ریت اور مٹی پھیلی ہوئی ہے۔ اردگرد گندے پانی کے جوہڑ ترقی کی منازل طے کر رہے ہیں۔ جن میں اعلیٰ نسل کے مچھر پرورش پاتے ہیں اور محنت کشوں کے ان بچوں کے لئے کوئی تعلیمی انتظام نہیں۔ صرف ایک پرائمری اسکول ہے جو قطعی ناکافی ہے۔ اسکی زبوں حالی پر بھی ترس آتا ہے۔ اس گندے پانی کے نکاس کا کوئی حل برآمد نہیں ہوا۔ میں نے ہر بات ورکس کمیٹی کے ذریعہ تحریر میں لائی ہے۔

لیکن سرمایہ دار سے سر پھوڑنا اپنی تقدیر سے ٹکر لینی ہے۔ جس نے ضرورت سے زیادہ بات کی اس کے لئے حساب تیار، اور گیٹ باہر ہے۔

زیادہ کیا تحریر کروں۔ میں نے کل ہی۔ اس قسم کی اطلاعات و ملاقات کے لئے ڈویژنل لیبر آفیسر صاحب خیرپور۔ کمشنر صاحب خیرپور اور ڈی سی صاحب خیرپور کی خدمت میں خطوط لکھے ہیں شاید معززین خیرپور کے طفیل سے کچھ مسائل حل ہو جائیں۔

ہر مزدور اپنی جگہ پریشان ہے۔ حکومت بھی کوئی توجہ نہیں دے رہی ہے۔ اس سے قبل فوجی دور میں مزدوروں کے لئے ہر تفریح کا بندوبست تھا۔ حتیٰ کہ اب وہ امداد بھی بند کر دی جو مزدور اور بے روزگار مزدوروں کو فنڈ سے دی جاتی تھی۔ حالانکہ یہ لیبر لاز میں ہے — اف! محترم — بہت سی باتیں ہیں۔

(عبدالرزاق سیفی۔ جوائنٹ سیکریٹری)

کراچی

محترم سبط اختر صاحب! السلام علیکم

"منشور" کئی ماہ سے پڑھ رہا ہوں۔ اس دور میں ایسا پرچہ شائع کرنے پر آپ کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

خاص طور سے آپ کا "اداریہ" اور "اے وطن" قابلِ توجہ ہیں۔ مشرقی پاکستان میں سیلاب آیا آپ کا قلم لرز اٹھا۔ پی آئی اے کے طیارے کو حادثہ پیش آیا۔ آپ کے قلم نے آنسو بہائے۔ مگر افسوس صد افسوس اسی ملک میں۔ اسی وطنِ پاک کی سرزمین پر ایک خطہ (بدنصیب) خطہ ایسا بھی ہے جس پر آج کئی مدتوں سے ہماری ہی حکومت بمباری کر رہی ہے۔ روزانہ بے گناہ اور معصوم لوگ آگ اور شعلوں کی نذر ہو رہے ہیں۔ روزانہ کئی لوگ بندوق کی گولیوں کی خوراک بنتے ہیں۔ نہ جانے کتنی دلہنیں بیوہ ہو گئیں۔ نہ جانے کتنے معصوم بچے یتیم ہو گئے اور نہ جانے کتنے ہوں گے یہ سب کچھ "بلوچستان" میں اسوقت ہو رہا ہے اور نہ جانے کب تک ہوتا رہیگا مگر آپ کا قلم خاموش ہے۔ کئی بلوچ رہنما جیلوں میں سڑ رہے ہیں۔ کئی قتل ہوئے۔ بعضوں کو پھانسی دی گئی ہے۔ اور نہ جانے پھانسی کا پھندا کتنوں کا انتظار کر رہا ہے۔ مگر پاکستانی پریس خاموش ہے۔ آخر کیوں؟ .....

بلوچیوں کا قصور اگر ہے تو صرف یہ ہے کہ وہ ملک میں عوام کی حکومت چاہتے ہیں مزدوروں غریبوں کی حکومت۔ وہ اپنے حقوق مانگتے ہیں انھیں گولیاں دی جاتی ہیں۔ کیا ہم امید کریں آپ اس بارے میں کچھ لکھیں گے۔

(احمد صدیقی)

دہلی

ڈیر سبطِ اختر!

تمہارے مئی کے شمارے میں محترم سخی حسن صاحب کا خط میری کہانی کے بارے میں چھپا ہے۔ اس کے بارے میں میرے دوستوں نے مجھ سے استفسار کیا ہے۔ میرا خیال تو یہ تھا اور اب بھی ہے کہ سخی حسن صاحب کے شبہات کا جواب کہانی میں موجود ہے کم و بیش یہی باتیں انھوں نے امروہہ کے اجتماع میں بھی کہی تھیں وہاں یہ خیال ہوا کہ کہانی سننے میں شاید اصل مقصد کی طرف حاضرین کا دھیان نہیں گیا۔ اور سخی صاحب نے بھی میں نے جو بات کہنا چاہی ہے اسکی طرف پوری توجہ نہیں کی ہے۔ مگر کہانی پڑھنے کے بعد بھی شبہات کا باقی رہ جانا ثابت کرتا ہے کہ شاید میں نے بہت زیادہ بلند آہنگی کے ساتھ وہ بات نہیں کہی ہے جس کے تحت کہانی لکھی ہے۔ میں نے پھر ایک بار عام قاری کی طرح کہانی پر نظر ڈالی۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ کہانی میں کوئی بڑا ابہام یا نقص نہیں ہے۔

سخی صاحب بزرگ، عالم اور ادیب ہیں میری کہانی پر ان کا اعتراض رجحان تک میں سمجھتا ہوں محض اس بنا پر ہے کہ انھوں نے مسلمان اور عیسائی کے تضاد پر نظر ڈالی اور پوری کہانی پر توجہ نہیں کی۔ میں انکی تشفی کے لئے کہانی کا مطلب بیان کرنا خود ایک ادب شناش کی بے حرمتی تصور کرتا ہوں۔ شاید یہ گستاخی کرتا بھی۔ مگر ان کے خط کا آخری جملہ میرے لئے خاصا تکلیف کا سبب بنا۔ انھوں نے اپنے اعتراض کا جواب سننے سے پہلے ہی یہ فیصلہ بھی صادر کر دیا کہ "کہانی کسی انگریزی کہانی کا چربہ ہے جو ناکام ہے" اب بتاؤ کہ جب معترض نے بغیر صفائی کا موقع دیئے ہی مجھ کو بد دیانت کہہ دیا تو میرے لئے کچھ کہنے کی گنجائش ہی کہاں رہ جاتی ہے۔ اگر میرے محترم بزرگ نے اپنے وسیع مطالعہ کی بنا پر کسی کہانی کا حوالہ دیا ہوتا۔ ثبوت کے طور پر کسی ادیب کا خیال پیش کیا ہوتا تو بھی ٹھیک تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کہانی کا خیال میرا اور صرف میرا ہے اس لئے اس کو کسی انگریزی کہانی کا ناکام چربہ کہنا ایسی زیادتی ہے جو کسی ادیب کو تو نہیں کرنا چاہیئے تھی۔

(تمہارا قیصر تمکین)

کراچی

اختر بھیا۔ سلام و آداب

آپ کا منشور میری نظر سے گزرا۔ چند مصروفیات کی بنا پر زیادہ توجہ نہ دے سکا۔ کیونکہ جہاں میں نے یہ رسالہ دیکھا تھا۔ ایک بہت ضروری کام سے ماموں کے ہاں گیا تھا۔ اس لئے میں نے۔ منشور کے لئے تھوڑا وقت نکال لیا۔ اور جب پڑھا تو دل چاہا کہ "منشور" کو لیتا جاؤں۔ پھر نہ جانے کیا خیال ہوا کہ ایک دم رکھ دیا اور پھر چند منٹ بعد گھر روانہ ہو گیا۔ راستہ بھر سوچتا رہا کہ خدا جانے اس رسالے کو جاری کرنے والے کتنی محنت کرتے ہوں گے مگر اس کے باوجود قیمت صرف پچیس نئے پیسے۔

اچانک مجھے "شاہراہ" رسالہ یاد آ گیا جو دہلی سے شائع ہوا کرتا تھا جسے میں بڑی دلچسپی سے پڑھا کرتا تھا۔ مگر اس کی خوبی کچھ اور تھی۔ اس رسالے کے بند ہو جانے کے بعد مجھے بڑی پریشانی ہوئی۔

کیونکہ میں ایک طالب علم کی حیثیت سے امن کا پجاری ہوں۔ جنگ کے نام سے دور کوسوں میل دور کہ امن کی تلاش میری زندگی کا مشن ہے۔ جنگ کا دشمن اور امن کا دوست ہوں۔ امن اسوقت ہی رہ سکتا ہے کہ جب مزدور جو وطن کے ہزاروں انسانوں کے پیٹ کے لئے کام کرتا ہے اس کا حق اس کو ملے۔ اور اس کو "منشور" سے بہتر اور کوئی رسالہ پیش نہیں کر سکتا۔ خدا آپ کو اپنے نیک مقاصد میں کامیاب کرے —

(نعیم ہاشمی)

کراچی

محترمی تسلیم

عرصہ سے منشور زیر مطالعہ ہے۔ اس دوران میں جون کا شمارہ بھی دیکھنے کا، موقعہ ملا۔ حقیقت امر یہ ہے کہ منشور کو ہند و پاک کے تمام رسائل میں ایک انفرادی مقام حاصل ہے "مضمون سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو" اپنی نوعیت کی بے مثال تخلیق ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ زندگی کے اس اہم ترین موضوع پر کسی جدید سے کی نگاہ نہ پڑی۔ خدا کا شکر ہے کہ اس میدان میں بھی آپ نے پہل کی۔ اس پیچیدہ عنوان کو انتہائی دلکش اور سلیس بنا کر پیش کرنا صاحب قلم کا کمال ہے۔ کسی بھی رسالے میں اتنا مفید مضمون دیکھنے میں نہ آیا۔ آپکی تلاش لائق صد آفرین ہے۔ اس سلسلہ کو ضرور جاری رکھئے گا۔ آپکی وساطت سے مصنف تک میری مبارکباد پہنچ جائے تو بہتر ہے۔

(بابر سعید)

مشرقی پاکستان کی فلمی سرگرمیاں

حسن جعفری

ایف ڈی سی اسٹوڈیو کو نقصان

ابھی پچھلے ماہ ہی کی بات ہے کہ ڈھاکہ کے، ایف ڈی سی اسٹوڈیو کے چند شعبے خطرناک قسم کی آتش زدگی کے نذر ہو گئے تھے۔ اس نقصان کی تلافی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ایک دفعہ پھر اسٹوڈیو کو ایک حادثہ سے دوچار ہونا پڑا — طوفان نے سارے مشرقی پاکستان کو تباہ کر دیا تھا۔ وہاں اس فلم اسٹوڈیو پر بھی قہر قیامت بن کر ٹوٹ پڑا پروجیکشن حال کی چھت اڑ جانے سے کافی نقصان پہنچا ہے۔ کئی ساؤنڈ بوتھ بھی اس طوفان کی تباہی کا شکار ہوئے ایڈیٹنگ روم اور لیبورٹری کو بھی زبردست نقصان کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اندرونی فلمبندی ایک اچھا خاصا پرابلم نظر آتا ہے۔ ماہ اگست تک نمائش ہونے والی فلمیں اب کچھ تاخیر سے پیش ہونگی۔ جن میں "روپ بان"۔ "مالا" "کیسے کہوں" اور "الجھن" خاص طور پر قابل ذکر ہیں



اکبر افشار شبنم ——— فلم "آخری اسٹیشن" میں



رانی شبنم اور ہارون۔

سرور بارہ بنکوی کی فلم "آخری اسٹیشن" میں

آخری اسٹیشن

جانے پہچانے اور عوام کے پسندیدہ شاعر سرور بارہ بنکوی اب صرف شاعر ہی نہیں۔ بلکہ ہدایتکار بھی ہیں۔ "ساگاریکا پکچرز" کے پرچم تلے اپنی پہلی فلم "آخری اسٹیشن" کو مکمل کرنے کے لئے شب و روز فلمبندی میں مصروف ہیں۔ آپکو صرف دو عدد گانے فلم کی ہیروئن رانی پر فلمانے باقی ہیں۔ جسکے لئے عنقریب رانی ڈھاکہ آ رہی ہے ہاجرہ مسرور کی لکھی ہوئی اس کہانی کے مکالمے خود سرور صاحب نے تحریر کئے ہیں۔ اس فلم میں یہ دکھایا گیا ہے کہ دنیا میں پیسہ سب کچھ ہونے کے باوجود کچھ نہیں ہے۔ بلکہ پیسے سے زیادہ طاقتور انسان کے اصول ہیں جن پر پیسے کو قربان کیا جا سکتا ہے اس فلم کے گانے سرور اور حمایت علی شاعر دونوں ہی نے لکھے ہیں۔ باخبر ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ حمایت علی شاعر کی فلم، "لوری" کے لئے سرور صاحب نے بھی گانے لکھے ہیں

کا براہ راست تبادلہ کیا ہے "آخری اسٹیشن"

کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ کہیں کہیں بنگالی مکالمے چاشنی کا مزہ دے جاتے ہیں یہ کوشش ملک بھر میں مشترکہ زبان رائج کرنے میں ایک اہم قدم ہے۔ اسی طرح مغربی بازو کی اداکارہ رانی اور مشرقی بازو کے اداکار ہارون کو بھی یکجا کیا گیا ہے۔ شبنم، سبھاش دتہ، جلیل افغانی، محسن، رشیدہ اور کے کمار بھی کاسٹ میں شامل ہیں۔ عکاسی ناصر کے ذمہ ہے۔ جبکہ موسیقی کے لئے خان عطا الرحمن صاحب مصروف ہیں۔

"ایندھن"

من فلمز کے بینر تلے بننے والی فلم "من" کی بے مثال کامیابی کے بعد اداکار و ہدایت کار رحمان نے اپنی دوسری فلم "ایندھن" کا آغاز کیا ہے۔ یہ فلم بھی امید ہے کہ "من" کی طرح باکس آفس پر کامیاب ہوگی۔ اور رحمان اپنی سابقہ روایت کو برقرار رکھیں گے۔ بڑی تگ و دو کے ساتھ اس فلم کے لئے ہیروئن کا کردار ریشماں ادا کرے گی۔ بیرونی فلمبندی کپتائی، کاکس بازار اور چاٹگام میں ان دنوں ہو رہی ہے۔ رحمان نے خود ہیرو کا کردار ادا کیا ہے۔ اس فلم میں وہ چند نئے چہرے بھی پیش کر رہے ہیں۔ موسیقار سبل داس ہیں اور عکاس عبدالصمد ہیں۔



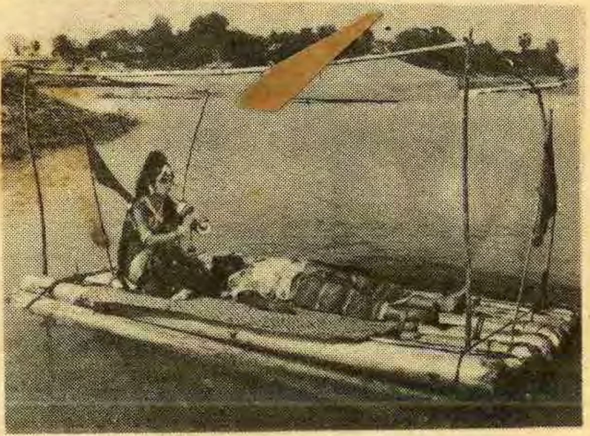
جبیں، مرزا شاہی، جاوید رحیم اور منجو لبدھاک کی زیرِ تکمیل فلم "کیسے کہوں" میں ۔



خلیل اور شبنم ———— لبدھاک کی فلم "کیسے کہوں" میں ۔

" کیسے کہوں "

ابدھاک فلم کے بینر تلے بننے والی دوسری اردو فلم "کیسے کہوں" عنقریب مکمل ہو کر نمائش کے لئے پیش کر دی جائے گی ۔ ہدایت کار صادق خاں نے تمام بیرونی فلم بندی مکمل کر لی ہے اور آجکل اندرونی فلم بندی اپنے اسٹوڈیو واقع گرین روڈ میں مکمل کر رہے ہیں ۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ فلم مشرقی پاکستان کی طرف سے ایک اعلیٰ ترین فلم ہوگی ۔ اب تک کے رش پرنٹ دیکھنے والوں کی رائے ہے کہ یہ فلم مشرقی پاکستان کی فلموں کی ساکھ یقیناً قائم رکھے گی ۔ یکے بعد دیگرے فلاپ ہونے والی فلموں کے لئے یہ ایک سہارا ہوگی " کیسے کہوں " میں فنکاروں نے بھی اصلیت کا رنگ بھرنے کے لئے اپنے فن کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے ۔ خاص کر خلیل اور شبنم ان سب میں نمایاں ہیں دیگر اداکاران میں مصطفیٰ کے کمار، جبیں، انور سہیل، مرزا شاہی وغیرہ بھی قابل ذکر ہیں ۔ بدرعالم صاحب نے عکاسی میں بھی کافی محنت کی ہے ۔ موسیقی روبن گھوش کی ہے ۔



سلطان زماں اور عظیم ———— فلم " مالا " میں



کشتی دوڑ کا ایک منظر :- سلطان زماں اور عظیم نمایاں ہیں "فلم مالا "

مستفیض کی " مالا "

" تلاش " اور " پیسے " جیسی جوبلی فلمیں بنانے والے نامور ہدایت کار مستفیض ان دنوں اپنی عظیم اور ناقابل فراموش تصویر " مالا " کی فلمبندی میں مصروف ہیں ۔ یہ پاکستان کی پہلی رنگین اور سنیما اسکوپ فلم ہوگی مشرقی پاکستان کے ایک دیہات کی کہانی ہے جس میں ہیروں کی زندگی کی عکاسی کی گئی ہے ۔ یہ فلم اپنی کہانی کی وجہ سے ایک نمایاں حیثیت کی حامل ہوگی ہدایت کار نے ایک ملاقات میں بتایا ہے کہ اس فلم کا ایک منظر جس میں کشتی کی دوڑ کو فلمایا گیا ہے ۔ اپنی نوعیت کا واحد ہے ۔ اب تک کسی بھی پاکستانی فلم میں اس قسم کا کوئی منظر پیش نہیں کیا گیا ہے ۔ اس فلم میں نمایاں کردار عظیم، سلطانہ زمان ۔ عرفان، جلیل افغانی، انیس اور ڈیرا صغر نے انجام دیئے ہیں خان عطاء الرحمٰن موسیقار ہیں اور گانے سرور بارہ بنکوی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں ۔ عکاسی کے فرائض زمان انجام دے رہے ہیں ۔

" سانولی "

نئے عزم اور نئے ولولے کے ساتھ ہدایت کار عزیز احمد نے دوبارہ اپنی رکی ہوئی فلم " سانولی " کا آغاز کیا ہے ۔ یہ فلم گلاکسی فلمز کے تحت بننے والی اولین فلم ہوگی ۔ حال ہی میں ہدایت کار نے ایک کشتی پر ہیروئن نسیمہ خان پر ایک گانا فلمبند کیا ہے ۔ روبن گھوش نے اپنی سابقہ پوزیشن کو برقرار رکھتے ہوئے اس فلم میں بھی عمدہ قسم کی دھنیں بنائی ہیں ۔ افضل چودھری نے عکاسی میں ایک نیا تجربہ کیا ہے ۔ انھوں نے اس فلم کے مناظر پر خاص طور پر توجہ دی ہے اور اس فلم کو شاہکار بنانے کا عزم کیا ہے ۔

" الجھن "

ہدایت کار اظہر حسین نے اپنی اچھوتی فلم " الجھن " کا آغاز کر دیا ہے ۔ ان دنوں وہ سکرپٹ مکمل کر کے سیٹ لگوا رہے ہیں ۔ اگر موسم نے اجازت دی تو وہ بیرونی فلمبندی بھی کریں گے ۔ اس فلم میں خلیل، روزی، شیدا، سراج وغیرہ نے اداکاری کا مظاہرہ کیا ہے ۔ ایک نئی دریافت معصومہ بھی کاسٹ میں شامل ہے ۔ عکاسی کے فرائض عبدالصمد اور موسیقی کے ذمہ دار ہوتد کار ہیں ۔


آپ کی پُروقار
شخصیت
۱۹۶۵ء کی ڈاج ڈارٹ کی
آمد سے دوبالا ہو جائے گی
اب دستیاب ہے
1965

REGD.NO. S - 2575

THE MONTHLY MANSHOOR KARACHI

